ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں

(طبع ثانی)
۱۹۵۸ء

علامہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس
سعیدہ منزل بی روڈ ناظم آباد۔ کراچی

مطبوعہ آرمی پریس نکل روڈ۔ کراچی

ناشر

سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے۔ (علیگ)

رجسٹرار
اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل

ناظم آباد

بی روڈ۔ کراچی

جملہ حقوق بحق اکیڈیمی محفوظ ہیں

تعداد طبع
ایک ہزار

قیمت
دو روپے آٹھ آنے

"مقدمہ"

(از عالیجناب الحاج میجر شمس الدین محمد صاحب سابق وزیر تعلیم بہاولپور و صدر کانفرنس)

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی نے تاریخ و سیر اور ادب صالح کی نئی راہیں نکالیں جن پر گامزن ہو کر ان کے تلامذہ اور دیگر ارباب علم نے علم و ادب کی نہایت مفید خدمات انجام دیں اور ایک ایسا لٹریچر پیدا کیا۔ جس کی دل و دماغ کو بہت ضرورت تھی۔ مرحوم مولانا نے اس سلسلے کو جاری رکھنے کیلئے ۱۹۱۳ء میں ایک علمی ایسوسی ایشن "دارالمصنفین" کے نام سے اعظم گڑھ میں قائم کی مگر ہنوز اس کے ابتدائی مراحل بھی مکمل نہ ہوئے تھے کہ سفر آخرت پیش آ گیا۔ مگر ان کے ارشد تلامذہ علامہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم و مغفور نے جو اپنے استاد کی تعلیم و تربیت کا بہترین نمونہ تھے۔ اس کی تکمیل کی اور اپنی اور اپنے رفقا کی قابلیت سے کچھ ہی مدت میں اس ادارہ کو ملک کا مستند اور مقبول علمی ادارہ بنا دیا اور اس کی مطبوعات نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ ادارہ کی فہرست مصنفات و مطبوعات میں خود علامہ ممدوح کی تصنیفات۔ مضامین اور مقالات کی کافی تعداد ہے۔ جو سیر حضو

تاریخ اور ادب و تحقیق کا شاہکار ہیں۔

سلسلۂ مقالات میں ایک مبسوط غیر مطبوعہ مقالہ "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" بھی ہے جس کے کچھ حصے حضرت علامہ مرحوم نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس سنہ ۱۹۱۸ء میں بمقام کلکتہ پڑھے تھے۔ انتقال سے تقریباً ایک سال قبل ایک روز حضرت علامہ بہ نفسِ نفیس دفترِ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس سندھ مدرسہ کراچی میں تشریف لائے اور یہ ارشاد فرما کر سید الطاف علی صاحب بریلوی کو مقالہ مذکورہ سپرد فرمایا کہ

"یہ چیز کانفرنس کی ہے آپ اسے چھپوائیے"

اس مقالہ میں علامہ مرحوم نے تاریخی اسناد اور حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں نے جب سے کہ اُن کا ہندوستان سے تجارتی و معاشرتی تعلق شروع ہوا اور پھر جب ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور حکومت کرتے رہے آخر دور تک ہندوؤں کی تعلیم میں فیاضانہ حصہ لیا۔ حالانکہ قدیم ہند میں ان کی تین اعلیٰ ذاتوں برہمن۔ چھتری۔ اور ویش کی اجارہ داری تھی اور وہ بھی مردوں کے لئے مخصوص تھی۔ باقی ذاتوں اور ہر ایک ذات کی عورتوں کو بغیر کسی استثنا کے ہر قسم کی تعلیم ممنوع تھی حتیٰ کہ کوئی اچھوت وید (مذہبی کتاب) کا کوئی اشلوک سُن بھی

نہیں سکتا تھا، یہ مسلمانوں کی تشویق، ترغیب اور ذرائع و وسائل کی آسانی تھی کہ عام ہندوؤں نے اس اجارہ داری کی قید سے نکل کر آزادی سے تعلیم پائی اور آزادی دینے والوں سے نہ صرف علمی ہمسری کرنے لگے بلکہ بعض صورتوں میں سبقت لے گئے۔ اگرچہ مسلمانوں کی حکومت میں مختلف مدارج کی درسگاہیں تھیں مگر اساتذۂ علم اور ماہرین فن کے مکانات اور علم دوست و معارف پرور امراء کے دیوان خانے اعلیٰ اور بہتر مدرسے تھے ان سے مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو ہندو بھی استفادہ کرتے تھے۔ مسلم حکومت کے زوال کے بعد بھی مسلم ریاستوں میں تو عرصۂ دراز تک یہی سلسلہ اور نظام قائم رہا۔ بطور مثال حیدرآباد دکن کے راجہ چندولال اور اس دور آخر کے مہاراجہ سر کشن پرشاد اسی تعلیم کا نمونہ تھے۔ برطانوی عہد میں ہندوؤں کی سماجی و تعلیمی اصلاح میں راجہ رام موہن رائے کا نام نہایت ممتاز ہے۔ اپنے خاندان میں نہ صرف وہ مشرقی تعلیم کا نمونہ اور دورِ آخر کی یادگار تھے بلکہ ان کے ایک قریبی رشتہ دار راجہ خوشوقت رائے بھی ایسی ہی دستگاہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ نام تک میں بھی فارسی اور عربی کے دو[20] لفظ موجود ہیں۔

مسلمانوں نے ہندو علوم کی نہ صرف قدر افزائی کی بلکہ ان سے استفادہ میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اصل و تراجم کے ذریعہ ان کو زندہ رکھا اس علمی بے تعصبی کی یہ مثالیں جا بجا علامہ کے مقالے میں ملتی ہیں۔

یہاں دورِ آخر کی ایک مثال کا ذکر ناموزوں نہ ہوگا یعنی حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب مرحوم و مغفور نے جب بذریعہ تراجم وغیرہ یونانی طب کی مایۂ فخر درسگاہ دہلی میں قائم کی تو اُس میں آیورویدک کی تعلیم بھی شامل کی اس طرح یونانی طب کے ساتھ جو گویا مسلم طب بن گئی ہے ہندوستان کی قدیم طب کے زندہ رہنے کا سامان بھی بہم پہنچا دیا۔

علامہ کا یہ مقالہ ایک زبردست تاریخی اہمیت کا حامل ہے جو ادبی حسن و شان سے مرتب ہوا ہے، اور آں مرحوم نے اپنی بے مثل مہربانی سے ادارۂ تصنیف و تالیف آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کو جس طور پر نوازا اُس کا اقتضا تھا کہ اُس کو جلد از جلد زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کی سعادت حاصل کی جائے اللہ سے دُعا ہے کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قیمتی علمی یادگار قبول دوام حاصل کرے۔ آمین

(میجر شمس الدین محمد (سابق وزیر تعلیم بہاولپور)

صدر

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

دیباچہ

(نوشتۂ سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے (علیگ) سکریٹری کانفرنس و مدیر العلم کراچی)

جس طرح افراد کے مزاج و عادات اور جبلّی تقاضے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح اقوام کے عادات و خصائص میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے اسباب علمائے حیاتیات و نسلیات کے نزدیک کچھ ہی ہوں اور آب و ہوا یا وسائلِ حیات وغیرہ کے موثرات کا کیسا ہی دخل ثابت کیا جائے مگر قوموں کی زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ موثر و کارفرما نظر آتی ہے وہ اُن کے فکر و نظر کا وہ انفرادی انداز ہے جس سے فرد و جماعت کی زندگی کی جملہ خصوصیتیں تشکیل پاتی اور جبلتوں اور عادتوں کا رنگ اختیار کر کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔

اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو قدیم ہندوستان کے ہندو اپنی بعض خصوصیتوں میں دُنیا کی تمام دوسری قوموں سے مختلف نظر آتے ہیں۔ اوہام و اباطیل پرستی کی قدرِ مشترک کو چھوڑ کر اس زمانہ کی "متمدن" قوموں

سے ان کا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ ذات پات کی تقسیم نے اجتماعی زندگی کو محدود ترین دائروں میں اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ کسی کو ایک دائرہ سے نکل کر دوسرے دائرہ میں قدم رکھنے کی جرأت نہ تھی۔ ایک دائرہ دھرم رکھشکوں اور مذہبی سرداروں کا تھا جو پیدائشی اور نسلی برہمنوں کے لئے مخصوص تھا دوسرا جنگ آزماؤں اور سورماؤں کا جس میں صرف چھتری رہ سکتے تھے۔ تیسرا ویشوں کا تھا جو کھیتی باڑی اور تجارت کے ذریعہ لوگوں کی ضروریاتِ زندگی فراہم کرتے تھے اور چوتھا شودروں اور چنڈالوں کا تھا جنہیں حیوانوں سے بھی فروتر درجہ دیا گیا تھا۔ اور جن کا جان مال ہر وقت اور ہر حال میں اعلیٰ ذات والوں کے لئے مباح تھا سفر و سیاحت اور دوسری قوموں سے ربط و تعلق کو بُرا خیال کیا جاتا تھا اور یہ عقیدہ عام تھا کہ سمندر کا سفر کرنے سے دھرم بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ تعلیم صرف برہمنوں کے لئے مخصوص تھی اور حکم تھا کہ اگر نیچ ذات کا کوئی آدمی اتفاق سے بھی وید کا اشلوک سُن لے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے۔

یہ تھا قدیم ہندوستان کے باشندوں کا طریق فکر و نظام حیات اس کا کوئی جزو ایسا نہ تھا جس پر علحدگی پسندی و بے تعلقی اور تعصب و تنگ نظری کی مہر ثبت نہ ہو۔ علم کی محدودیت مجد و شرف کی اجارہ داری اور دوسری قوموں سے بے تعلقی و بے نیازی ہی کا کرشمہ ہے کہ عہد

باستان کا ہندوستان علمی سرمایہ سے یکسر تہی دامن ہے اور ہزاروں سال کی متمدن زندگی کے دعاوی کے باوجود کوئی ایک کتاب یا کوئی دوسرا ریکارڈ ایسا پیش نہیں کرسکتا جس سے اس زمانہ کی اجتماعی زندگی کی ترقی کا کوئی ثبوت بہم پہنچ سکے اگر کچھ ہے تو دیومالا کے بے سروپا قصے کہانیاں یا لے دے کر ایک رامائن ہے جو خود اسی قسم کی غیر عقلی داستان سرائیوں پر مشتمل ہے۔ پھر یہ صورت حال عہدِ قدیم کے اوائل و اواسط ہی سے مخصوص نہیں۔ اواخر میں بھی پوری طرح نمایاں ملتی ہے۔ قبل از تاریخ سے مابعد تاریخ تک کے ہر ماخذ پر نظر ڈال جائیے علم کی اشاعت اور تعلیم کے کسی نظام کا کوئی ثبوت نہیں ملے گا۔ کالنگا۔ پاٹلی پتر اور ہڑپہ یا ٹیکسلا ہندوازم کے نہیں بدھ مت کے فروغ کے آثار میں شامل ہیں۔ چنانچہ جب بدھ دھرم کو زوال اور برہمنیت کو دوبارہ فروغ ہوا تو تعلیم و تعلم کے یہ مرکز بھی عصبیتِ جاہلیہ کی نذر ہو گئے۔

ایک طرف ہندو قوم کا یہ رنگ تھا دوسری طرف بادیہ نشینانِ عرب ایشیا و یورپ کے درمیان روابط و اتصال کا وسیلہ بنے ہوئے تھے۔ یوں تجارت تو زمانہ قبل از اسلام سے جاری تھی مگر جب اسلام سے مشرف اور اہل عالم کی ہدایت و رہبری پر مامور ہوئے تو سرتاسر زندگی کی برکتوں اور سعادتوں کا سرچشمہ بن گئے ان کے قدم جہاں پہنچے جاہلیت کی نحوستیں دور ہوئیں اور قوموں نے ظلم و جور سے نجات پائی۔

ہندوستان کے مسلم عہد کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں کے دم قدم سے یہاں تمدن و معاشرت فکر و فہم اور علوم و فنون میں ایسا انقلاب آیا کہ ایک طرف جو لوگ جامہ دوزی کے فن اور ضرورت تک سے ناواقف تھے وہ آدابِ معاشرت میں مسلمانوں کے ہمدوش بنے تو دوسری طرف علم و فن کے علمبردار مسلمانوں نے بے تعصبی و مساوات اور علوم و فنون کی ترقی کے میدان میں سعی و جہد کا وہ نمونہ اور حسنِ سلوک و رفق و خلوص کا وہ معیار قائم کیا کہ راعی و رعایا میں کوئی امتیاز نہ رہا ہندوؤں کو انھوں نے ہر میدان میں آگے بڑھایا تحصیل علم اور ترقی فنون کا ذوق پیدا کیا اور سرپرستی و سربراہی کی ایسی راہیں نکالیں کہ عروج و کمال کی کوئی منزل ایسی نہ رہی جو بلند حوصلہ کی زد سے باہر ہو۔ یہ داستان اتنی طویل ہے کہ اس کا استقصا کسی ایک صحبت یا کسی کتاب کے محدود صفحات میں ممکن نہیں تاہم علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور نے اس کے ایک عنوان "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" پر کاوش و تحقیق کے جو نتائج پیش کئے ہیں ان سے اس گلشن الطاف و احسان کی بہار کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

قیاس کن ز گلستانِ مَن بہار ما

"ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" حضرت علامہ مرحوم کا ایک

علمی مقالہ ہے، جو انھوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۱۹۱۸ء میں پڑھا تھا۔ اس کے پایۂ تحقیق و استناد کے متعلق مجھ جیسے ہیچمدان کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ البتہ اس موقع پر میں ایک اشارہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ ایک طرف مسلمانوں کے عہدِ اقتدار کی یہ خصوصیتیں اور ہندوؤں پر اُن کے یہ احسانات ہیں یا دوسری طرف ہندوؤں کی یہ احسان فراموشی و محسن دُشمنی کہ آزاد و صاحبِ اختیار ہونے سے پہلے ہی مسلم کشی پر کمر بستہ ہو گئے اور ایک ہزار سال کے حسنِ سلوک کو یک قلم فراموش کر کے ان کے مذہب و تمدّن ہی کو نہیں مشترکہ تہذیب کے آثار و مظاہر تک کو مٹانے پر تل گئے۔ قومی مزاج و قماش کی اس کیفیت کو وقت کی چلتی ہوئی اصطلاحات کے آئینہ میں دیکھنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ان کی قومی خصوصیت ہے اور محسن کشی و احسان فراموشی ان کا مایۂ خمیر آج کے حالات میں قومی مزاج و خصائص کا یہ تقابلی مطالعہ جہاں تاریخی لحاظ سے مفید و دلچسپ ہے وہاں سیاسی و واقعاتی اعتبار سے بھی عبرت انگیز و سبق آموز ہے۔

اللہ تعالےٰ علامہ مرحوم کو اعلےٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین

سید الطاف علی بریلوی

ہندوؤں کی تعلیم

مسلمانوں کے عہد میں

(۱)

اس سے پہلے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلیمی اور علمی تعلقات کی داستان شروع کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور عربوں کے تعلقات پر گفتگو کی جائے، عربوں کا سندھ پر فاتحانہ حملہ پہلی صدی ہجری میں شروع ہوا تھا، لیکن ان دونوں قدیم العہد قوموں میں اس سے صدیوں پہلے دوستانہ روابط قائم تھے۔

ہندوستان آرین قوم کی قدیم نسل ہے تو عرب سامی قوم کی صحیح اور اصلی یادگار ہے، یہ دونوں ملک ایک سمندر کے دو مقابل ساحل ہیں، اس کا ایک ہاتھ آریہ ورت کے دامن کو چھوتا ہے، تو دوسرا ارضِ مقدس کو پابوس ہے، ساحلی مقامات فطرتاً تجارتی ہوتے ہیں، یہی پہلا رشتہ ہے جس نے ان دونوں مقاموں کو باہم

آشنا کیا، عرب تاجر آج سے ہزاروں برس پہلے ہندوستان کے ساحلی مقامات تک آتے تھے، اور یہاں سے خاص یہاں کی پیداوار اپنے ملک کو لے جاتے تھے، اور ان کے ذریعہ سے تمام مغربی ممالک میں یہ چیزیں پھیل جاتی تھیں، مشرق و مغرب یا ہندوستان اور یورپ کے درمیان کڑی اہل عرب ہی تھے، ان کے سامانِ تجارت میں زیادہ تر مسالہ، خوشبو کی چیزیں، کپڑے، تلوار اور بعض جڑی بوٹی اور پھل داخل تھے، چنانچہ عربی میں ان چیزوں کے نام اب تک سنسکرت ہیں، مثلاً مشک (موشکا) کافور (کپور) صندل (چندن) قرنفل (کرنک پھل) فلفل (پپلی) زنجبیل (زرنجابیرا) نارجیل (ناریل) موز (موشہ) کاذی (کیوڑا) سنسکرت لفظ ہیں، تلوار کو عربی میں مہند کہتے ہیں۔ عود ہندی قسط ہندی تمر ہندی اپنی نسبت خود ظاہر کرتے ہیں۔

یہ تجارتی تعلقات بحری راستوں سے تھے، اس لئے کشتی اور جہازرانی کے بعض اصطلاحات بھی ہندی الاصل ہیں، مثلاً بارجہ و بیرجہ (بیڑہ) دونیج (ڈونگی) بلیج (بلیین) (جہاز کا سقف) ہوری (چھوٹی کشتی) جوش (کشتی کا رسا) وغیرہ الفاظ عرب سیاحوں کے سفرناموں میں عام طور سے مستعمل ہیں۔

قبل از اسلام کچھ عرب تاجروں نے بحرین سے نکل کر

بحر روم کے سواحل پر اقامت اختیار کر لی تھی، ان کو یہود کنعانی، اور آرامی اور یونانی فنیشین کہتے ہیں، تجارتی کاروبار کے سبب سے اس قوم کو حافظہ کے استحکام اور اعانت کی ضرورت ہوئی اس طرح فن کتابت کی ایجاد کی ان کو ضرورت محسوس ہوئی ان کے بحری راستہ کی مغربی منزل یونان تھی، اور مشرقی منزل ہندوستان، چنانچہ ان دونوں سروں پر ان کی ایجاد نے حُسنِ قبول حاصل کیا،

علمائے فنِ کتابت نے تمام دُنیا کے خط اور طرزِ تحریر کو چار قسموں پر منقسم کیا ہے، خطِ یونانی یہ یورپ کے تمام خطوط کا پدرِ اعلیٰ ہے، عبری جس سے سامری وغیرہ پیدا ہوئی، مسند جس سے سبائی وحمیری وحبشی خطوط نکلتے ہیں، اور آرامی، آرامی سے چھ خطوط پیدا ہوئے، ہندی، فارسی قدیم، عربی مربع تدمری سریانی، نبطی، اس تفصیل سے واضح ہوگا، کہ ہندوستان قدیم نے علوم کی ابجد عربوں ہی سے سیکھی[1]۔

عرب و ہند کے سیاسی تعلقات کا آغاز براہ راست نہیں بلکہ

---

[1] تاریخ الادب ج ۱ ص ۵ شائع کردہ جامعہ مصریہ (مصر)

ایرانیوں کی وساطت سے ہوا، یہ تفصیل کا موقع نہیں، اجمالاً بیان کیا جاتا ہے کہ عرب اور ایران کی سیاسی معرکہ آرائیوں کا ایک مدت سے سلسلہ جاری تھا، بنو شیبان ایرانیوں سے نبرد آزما تھے کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا، اسلام کا معجزہ سمجھئے یا بخت واتفاق کا اثر کہئے کہ عربوں نے میدانِ جنگ میں ایرانیوں کو شکست دی، چنانچہ اسی موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج عرب نے اپنا انصاف فارس سے لیا، حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ان ہی شیبانیوں نے مملکتِ ایران پر تاخت کی، اور ایرانیوں کی کمزوری کا اچھی طرح امتحان کر کے بارگاہِ خلافت کو واقعات کی اطلاع دی، اور امداد کے لئے فوجیں طلب کیں، یہ پہلا دن تھا کہ مسلمان اور ایرانیوں میں سیاسی تعلقات پیدا ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۳۰ھ میں ایرانیوں کا خاتمہ ہو گیا، ایران کی حکومت کی آخری حد سندھ سے مل جاتی ہے۔ مسلمانوں کو خوف تھا کہ سندھ سے دریا کے راستے سے ایرانیوں کو کمک پہنچے گی، اور براہ راست ادھر عرب سے خود مرکز پر حملہ ہو سکتا ہے، اس بنا پر ان کو سندھ پر فوج کشی کرنی پڑی، اس کے

بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی یہاں متواتر حملے ہوتے رہے، لیکن مستقل اور پائیدار فتح ولید کے عہد حکومت میں حاصل ہوئی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی خاصی قائم ہو گئی تھی، کیونکہ تاریخوں میں اس حملے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ ہندوؤں نے مسلمان عورتوں کو زبردستی گھر میں ڈال لیا تھا، اس زمانے میں عراق کا گورنر حجاج تھا، عورتوں نے حجاج کی دہائی پکاری۔ پرچہ نویسوں کے ذریعہ سے یہ خبر جب اس کو پہونچی، تو اس ملک کی فتح اور اسلام کی عزت برقرار رکھنے کے لئے بے قرار ہو گیا، اور آخر محمد بن قاسم ثقفی اپنے اٹھارہ سال کے نوجوان بھتیجے کی سپہ سالاری میں اس نے ایک فوج روانہ کی جس نے سندھ فتح کر لیا، اور رفتہ رفتہ یہ دائرۂ فتوحات ملتان تک پہنچ گیا،

اس زمانے میں مسلمانوں میں صرف دینی اور ادبی علوم رائج تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اور شعر وادب، چنانچہ سندھ کے نومسلموں نے ان فنون میں کامل دستگاہ پیدا کی، رجال کی کتابوں میں سندھ کے متعدد علماء اور محدثین کے نام ملتے ہیں، ابو معشر نجیح السندی، سندھ کے ایک غلام زادہ تھے۔ اپنے آقاؤں کے

ساتھ سندھ سے عرب گئے، وہاں آزادی پائی، اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی، کچھ دنوں کے بعد لوگ سندھی بھول گئے، اور مدنی یاد رہ گیا، چنانچہ ابو معشر نجیح مدنی کہلاتے ہیں، فن مغازی وسیر میں وہ کمال پیدا کیا کہ امام الفن کہلائے، زبان سے سندیت نہ گئی تھی، عربی مخارج ٹھیک ادا نہیں کر سکتے تھے، تاہم شاگردوں کا ٹھٹھ لگا رہتا تھا ۱۷۰ھ میں جب وفات پائی تو خلیفہ ہارون رشید اس نو مسلم سندھی کے نماز جنازہ کا امام تھا۔

ایک اور بزرگ رجاء السندی ہیں، جو عرب کے بجائے ایران پہونچے، اور اسفرائینی ہو کر مشہور ہوئے، اور فن حدیث کے باکمال استاد تھے، مشہور محدث حاکم ان کے حق میں کہتے ہیں، رکن من ارکان الحدیث اور نہ صرف یہ خود بلکہ ان کے خاندان میں اور بہت سے حفاظ حدیث پیدا ہوئے، ۲۲۱ھ میں وفات پائی،

ابو عطار السندی ایک ادیب گذرا ہے، جس کے فضل و کمال ادبی کا شاہد صرف یہ واقعہ ہے، کہ ابو تمام نے حماسہ میں اس کے عربی اشعار داخل کیے، سندھی بن شاہک ایک سندھی بغداد پہونچ کر بغداد کے پل پر فروکش ہوئے تھے اُن کی نسل سے کشاجم پیدا ہوا، جو عربی کا مشہور شاعر گذرا ہے، ابو نصر فتح بن

عبداللہ السندی، ایک سندھی غلام تھے، تعلیم پاکر نکلے تو الفقیہ المتکلم بن گئے۔ یہ ان بزرگوں کے حالات تھے، جنھوں نے اپنا ملکی مذہب بدل دیا تھا، ایسے لوگوں میں جو اپنے مذہب پر قائم رہ کر مسلمانوں کے ساتھ علمی و تعلیمی کاروبار میں شریک ہوئے۔ ہندوستان کے وہ پانچ چھ اطبا بھی ہیں جن کے نام اور حالات ہماری علمی بزم کی پارینہ داستان بن گئے ہیں، وہ یقیناً اسی سندھ کے تعلق سے بغداد کے دارالخلافہ تک پہنچے تھے، ابن ندیم اور ابن ابی اصیبعہ نے سنسکرت کی بہت سی طبی اور فلسفیانہ کتابوں کے نام گنائے ہیں، جو ان کے ذریعہ سے عربی زبان میں منتقل ہوئی ہیں، اس سے ہم کو یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے، کہ یا تو مسلمانوں کی مفتوحہ مملکت میں عربی زبان ہندوؤں کے علمی طبقہ تک پہنچ چکی تھی، یا مسلمان یہاں آکر ان کی زبان میں مہارت حاصل کر چکے تھے، یا بیچ کی کڑی ان دونوں کے درمیان فارسی ہوگی۔

تاریخ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی علمی سفارتیں اس زمانہ میں ہندوستان آیا کی ہیں، یحییٰ برمکی نے ایک شخص کو ہندوستان بھیجا تھا، کہ یہاں جو دوائیں پیدا ہوتی ہیں، ان کو تلاش کرکے لائے، نیز اہل ہند کے عقائد اور مذہب وغیرہ کی

تفصیل لکھ کر لائے، چنانچہ یعقوب کندی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اُس رپورٹ کی ایک نقل سنہ ۳۷۰ھ تک یعنی ابن ندیم کے زمانے تک موجود تھی، اس تحریر پر سنہ کتابت ۲۴۹ھ مرقوم تھا، مرتضےٰ زیدی نے ملل و نحل میں لکھا ہے کہ

"سندھ کے ایک راجہ نے خلیفہ ہارون رشید کو لکھا تھا کہ اگر اسلام کا مذہب عقل و دلیل پر قائم ہو تو کسی عالم کو مناظرہ کے لئے بھیجا جائے، چنانچہ اولاً ایک فقیہ بھیجا گیا، اس نے مناظرہ کے وقت فلسفیانہ اصطلاحات سے لاعلمی ظاہر کی، وہ واپس آیا، اور معمر بن عباد بغداد کا مشہور متکلم اس خدمت کے لئے نامزد ہوا"

اس واقعہ سے یہ صریحی نتیجہ مستنبط ہوتا ہے، کہ یہاں عربی زبان اور فلسفہ نے ایک حد تک فروغ پا لیا تھا:

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ منکہ وغیرہ حکمائے ہند جو بغداد پہنچے تھے، ان سے ابوالاشعث معمر نے دریافت کیا کہ اہل ہند کے نزدیک بلاغت کی تعریف کیا ہے، یہ یاد رہے کہ اہلِ عرب زبان آوری اور بلاغت میں کسی کو اپنا حریف نہیں سمجھتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں

اس فن پر ایک رسالہ ہے، لیکن ہم اس کا ترجمہ اچھا نہیں کر سکتے اور نہ ہم کو اس فن میں مہارت ہے، ابوالاشعث کا بیان ہے کہ مجھ کو وہ رسالہ ملا وہ لے کر میں مترجموں کے پاس گیا، اور ان سے اس کا ترجمہ کرایا، تو اس میں یہ لکھا تھا، اس کے بعد جاحظ نے اس رسالہ کا خلاصہ نقل کیا ہے یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عربوں کی حکومتِ ہند کے زمانے میں حاکم و محکوم کے علمی و تعلیمی تعلقات کیا تھے۔ سنسکرت سے عربی میں جو کتابیں ترجمہ کی گئیں وہ آج کل کے مترجمین کی طرح ناول اور قصہ کہانی کی کتابیں نہ تھیں، وہ تمام تر علمی اور فلسفیانہ کتابیں تھیں، انگریزی زبان سو برس سے ہندوستان میں رائج ہے، ہر صوبہ میں کالجوں اور اسکولوں کی تعداد گزشتہ زمانہ سے یقیناً زیادہ ہے، ہر سال جو طلبا فارغ ہو کر نکلتے ہیں ان کی تعداد ہزاروں تک ہر سال پہنچ جاتی ہے۔ تاہم انگریزی علوم کو اپنی مادری زبان میں منتقل کرنے کی ہمت نہیں پڑتی، اور ایک شور برپا ہے کہ ہماری زبان میں انگریزی کے لئے اصطلاحات نہیں ملتے، لیکن جو تعلیم عربوں کے عہد حکومت میں یہاں جاری تھی، وہ اس لائق بنا دیتی تھی، کہ اپنی مادری زبان سے وہ غیروں کی زبان میں ترجمہ کر سکتے تھے، اور مسلمان ان کے لئے اصطلاحات وضع

کرسکتے تھے، طب، ہیئت اور حساب یہ تین علوم سنسکرت سے عربی زبان میں منتقل کیئے گئے، ان کے لئے سیکڑوں اصطلاحات کی ضرورت پڑی ہوگی، اب بھی سنسکرت کے چند اصطلاحی الفاظ عربی میں موجود ہیں، "جیب" اور "اوج" یہ دونوں ریاضیات کی اصطلاحیں ہیں، جیب کی اصل جیوا، اور اوج کی اوچ ہے۔ قبہ اُرین اصطلاح ہیئت میں اُس نقطہ کو کہتے ہیں جو خط نصف النہار اور خطِ استوا کو تقاطع کرتا ہے، اس لفظ کی تاریخ عجیب و غریب ہے، یہ لفظ اصل میں "اجین" ہے جو صوبہ مالوہ کا مشہور شہر ہے، منجمان ہند نے اس کو نقطۂ تقاطع فرض کیا تھا، عربی میں اجین ازین ہوگیا بعد میں نقطہ اُڑکر اُرین رہ گیا۔

خلیفہ معتصم کے بعد حکومتِ عباسیہ میں ضعف آگیا اور یہ دور دراز علاقہ مرکز خلافت سے الگ ہوگیا، اس کے بعد سلطان محمود کے حملوں تک سندھ اور ملتان کی اسلامی تاریخ تاریک رہتی ہے، مسلمان سیّاح جو ہندوستان میں اکثر گزرتے رہتے تھے ان کی زبانی معلوم ہوتا ہے، کہ ملک مختلف ریاستوں پر منقسم ہوگیا تھا جن میں کچھ ہندو تھیں، کچھ اسماعیلی تھیں، کچھ خالص مسلمان تھیں، اور یہ نہایت امن و امان اور

دوستانہ طریقہ سے زندگی بسر کرتی تھیں، سلطان محمود کا ہندوستان پر حملہ اصل میں ان ہی اسمٰعیلیوں کے استیصال کے لئے شروع ہوا تھا

قدیم عرب سیاحان ہند جو غزنوی حملوں سے پہلے ہندوستان آئے اور جن کے سفرنامے موجود ہیں، یہ بزرگوار ہیں، :-

سلیمان تاجر ۲۲۵ھ اور ابوزید سیرافی ۲۴۲ھ یہ جنوبی دکن اور جزائر ہند سے گزرے تھے، ابوالحسن مسعودی ۳۰۳ھ میں ہندوستان آیا، ابو اسحاق اصطخری سنہ ۳۴۰ ہجری میں اس ملک میں آیا، ابودلف مسعر ینبوعی چوتھی صدی ہجری کے اواسط میں چین ہوکر کشمیر، ملتان، سندھ اور کولم پہونچا، چوتھی صدی کے آخر میں بشاری مقدسی ہندوستان آیا، اس نے ہندوستان کو پانچ صوبوں میں منقسم کیا ہے: مکران - توران - سندھ - ملتان قنوج - ہندوستان کا سب سے واضح جغرافیائی بیان ابوریحان بیرونی کی کتاب الہند میں ملتا ہے، اس نے پنجاب اودھ اور بنگال کے ممتاز شہروں کے نام لکھے ہیں، ان کا طول بلد اور عرض بلد بیان کیا ہے، بنگال و بہار کی جانب پاٹلی پتر پٹنہ اور مونگیر کا نام لیتا ہے، ان کے علاوہ سنگادیپ، سندھ اور ہمنت پہاڑ یعنی ہمالیہ کا ذکر کرتا ہے۔

اِن سیّاحوں نے ملتان، منصورہ، کھنبایت کے حالات لکھے ہیں ایک سیّاح جنوبی ہند کے ایک راجہ کا ذکر کرتا ہے، جس نے عرب تاجروں اور سیاحوں کی مدد سے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کرایا تھا، مسعودی نے کھنبایت کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہاں کا راجہ مسلمانوں سے بہت مالوف ہے اور ہمیشہ ان سے مذہبی مناظرے کرتا رہتا ہے، ایک اور سیّاح ملتان کی یہ حالت بتاتا ہے کہ یہاں ہندو مسلمانوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، اب تک ہماری علمی مجلسوں میں صرف بیرونی کا نام، اس لحاظ سے ممتاز ہے، کہ اس نے ہندوستان آکر یہاں کے علوم سیکھے، حالانکہ تاریخ میں اور بھی لوگ ایسے ملتے ہیں، محمد بن اسمٰعیل تنوخی کی نسبت ابن صاعد لکھتا ہے:-

اَلّذی دخل الی الھند وصدر	یہ وہ شخص ہے جو ہندوستان گیا
عنہا بغرائب من علم النجوم و	اور وہاں سے علمِ ہیئت کے
منہا حرکات الاقبال والادبار۔	عجیب وغریب مسائل لے کر
	واپس آیا، منجملہ اس کے حرکت
	اقبال وادبار کا مسئلہ ہے،

بطلیموس کی مجسطی سے پہلے حکمائے ہند کے ذریعہ سے کتاب

سند ہند پہونچی، سند ہند سب سے زیادہ مقبول ہوئی، حکمائے ہند سے یہ کتاب دو عرب نژاد عالموں نے ۱۵۸ھ میں پڑھی تھی، ایک ابراہیم بن حبیب فزاری جو حضرت سمرہ بن جندبؓ مشہور صحابی کے خاندان سے تھے، دوسرے یعقوب بن طارق، مولانا شبلی مرحوم نے اسی کانفرنس کے ایک سالانہ اجلاس میں تراجم کا مضمون پیش کیا تھا، اور صرف ان کے نام لکھ کر رہ گئے، اور آگے ان کا حال کچھ معلوم نہ ہو سکا، لیکن اب کچھ تو بیرونی کی کتاب الہند اور کچھ سینور کولوگینو جو اٹلی میں پلرمو یونیورسٹی کا پروفیسر ہے، اس کے اس لکچر سے جو اس نے عربوں کے علمِ ہیئت پر مصر کی یونیورسٹی میں عربی زبان میں دیا تھا، یہ عقدے تمامتر حل ہو گئے۔

پہلی کتاب سند ہند جس کو غلطی سے متاخرین نے السند والہند لکھا ہے اس کا اصل سنسکرت نام برہمپت سدھانت ہے، قدیم علمائے عرب نے اس کا آخری جز سدھانت لے کر سند ہند کر دیا، بعد کے لوگوں نے سند ہند پڑھ کر السند والہند کر دیا، یہ کتاب ۶۲۸ء مطابق ۶ھ میں برہم گپتا نے راجہ دیاگھرموکا کو لکھ کر پیش کی تھی یہی دیاگھر ہے، جو عربی کتابوں میں ملک فیغر ہو گیا ہے۔

سدھانت کی تعلیم نہ صرف بغداد کے احاطۂ علمی میں محدود رہی، بلکہ مسلمانوں کے فیضانِ علم کے ساتھ ساتھ "اسپین" تک پہنچ گئی تھی، عبداللہ بن احمد سرقسطی المتوفی ۴۳۸ھ ہندسہ و ہیئت کا امام تھا، اس نے اس کی غلطیاں دکھائیں، اور اس کی تصحیح و تردید پر ایک رسالہ لکھا، ابن صاعد اندلسی نے عبداللہ بن احمد کے اعتراضات کے جواب دیئے، اور سدھانت کے طریقہ کو صحیح بتایا، ابن صاعد اندلسی کی تصنیف طبقات الامم قرونِ وسطیٰ کی علمی تاریخ ہے جس میں تمام دُنیا کی علمی قوموں کے علوم و فنون کی تاریخ لکھی ہے، ۴۶۲ھ مطابق ۱۰۷۰ء میں اس نے وفات پائی علوم کی تاریخ میں مسلمانوں نے جو کتابیں لکھی ہیں، کتاب الفہرست ابن الندیم کے بعد، اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں اور باوجود اس کے کہ اس کے حوالے اکثر عربی کتابوں میں آتے ہیں، تمام دُنیائے اسلام میں اس کے صرف تین قلمی نسخے دستیاب ہوئے، ایک کتب خانۂ لندن، دوسرا کتب خانۂ لیڈن، اور تیسرا دمشق کے ایک کتب فروش کے پاس ملا، اس تیسرے نسخہ کو تصحیحات ضروری کے بعد بیروت کے ایک عیسائی نے ۱۹۱۲ء میں شائع کیا، چونکہ مولانائے مرحوم کے تراجم لکھتے وقت یہ کتاب عالم طبع میں نہیں آئی تھی، اس لئے اس مختصر تفصیل کے ساتھ

اس کتاب سے چند باتیں اور بڑھا دینی ہیں۔ ابن صاعد لکھتا ہے کہ ہندوستان کی تصنیفات بُعدِ مسافت کے سبب ہم اہلِ اندلس تک بہت کم پہنچی ہیں، صرف تین کتابیں پہنچی ہیں، ایک سندہند، ہیئت و نجوم میں، دوسری موسیقی میں، جس کا ہندی "نام نافر (؟) ہے، تیسری اخلاق میں کلیلہ و دمنہ، علوم میں حساب الغبار یعنی علمِ ارقام، اسی لئے اہلِ عرب ان کو ارقام ہندیہ کہتے ہیں۔ عربوں سے اہلِ یورپ تک یہ ارقام پہونچے، وہاں ان کا نام ارقام عربیہ ہے،

اب ہم اس عہد میں پہونچ گئے ہیں، جب عربوں کا آفتابِ اقبال ڈوب چکا تھا، ترکوں اور مغلوں، اور پٹھانوں کا نیا دَور شروع ہو رہا تھا، اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ ہمارے مضمون کا پہلا حصہ ہے، دوسرا حصّہ اب شروع ہوتا ہے۔

(۲)

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو قوم وہ قوم تھی جو ہر غیر قوم سے اس قدر شدید نفرت رکھتی تھی کہ اس کے سایہ تک سے گریز کرتی تھی، اور اس کو ملیچھ، ناپاک، اور نجس ہستی تصوّر کرتی تھی، کیا اس وقت کوئی خیال کر سکتا تھا کہ کسی زمانے میں ہندو قوم

بھی اس قدر روادار اور وسیع الخیال ہو جائے گی کہ وہ دوسری قوم کے ساتھ مل جل کر کام کرے گی، اس کی زبان سیکھے گی، اس کے علوم وفنون پڑھے گی، اس کے تمدن و معاشرت کو اختیار کرے گی، اور اس کے ساتھ شاگردی اور استادی کا رشتہ قائم کریگی لیکن سو دو سو برس ہی کے اندر ان کے خیالات میں بڑا تغیر آگیا۔ اور اب وہ مسلمان سلاطین کی نوکریاں کرنے لگے، اور درباروں میں مسلمان ارباب کمال کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے، یہی ابتدائی بے تعصبی ہندوؤں کی موجودہ تعلیمی ترقی کا زینہ ہے،

اگر مسلمانوں کا درمیانی دَور جس نے سو دو سو برس کے اندر اندر ہندوؤں کو اپنی قدیم تنگ خیالی کے بدلنے پر مجبور کیا، اور دوسری قوموں کے علوم وفنون سیکھنے کی ان میں ترغیب پیدا کی، ہندوستان میں قائم نہ ہوا ہوتا، تو کیا یہ ممکن تھا کہ انگریزوں کی حکومت کے اول یوم سے وہ انگریزی تعلیم کا آغاز کر دیتے، اور ساٹھ ستر برس کے اندر اندر تمام ہندوستان میں ایک غیر قومی زبان کی تحصیل کے لئے مدارس، مکاتب، پاٹ شالے اور کالج کھل جاتے، گوہرِ مقصود کی تلاش میں سمندروں میں بے محابا سفر کرتے، ان کے سو دو سو برس تو

صرف اپنی نفرت قومی اور تعصب مذہبی کے مٹانے میں صرف ہوتے۔

ہندوؤں پر مسلمانوں کا دوسرا سب سے بڑا تعلیمی احسان یہ ہے کہ مسلمانوں سے پہلے ہندو دھرم کے مطابق، تعلیم ہندوؤں کے ایک مخصوص طبقہ تک محدود تھی، حکم تھا کہ وید کا کوئی فقرہ اگر کسی شودر کے کان میں پڑ جائے تو اس میں سیسہ پلا دیا جائے، برہمنوں کے علاوہ ہندوؤں کے دیگر طبقوں میں یا علم مطلق نہ تھا، یا بہت ہی کم تھا، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مذہباً ان کو تعلیم حاصل کرنے کی مطلقاً اجازت نہ تھی، لیکن مسلمانوں نے ہندوستان آکر تعلیم کو ہندوؤں کے ہر طبقہ تک عام کر دیا۔ برہمنوں سے لے کر کھتری، کائستھ، بنیئے، اور ان سے بھی نیچے درجوں تک علم اتر آیا، آج ہندوستان میں برہمنوں سے زیادہ نہیں تو، برہمنوں کے برابر، غیر برہمن ہندو بھی تعلیم سے بہرہ اندوز ہیں، اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی یہی حال تھا کہ برہمنوں سے زیادہ کائستھ اور کھتری تعلیم یافتہ تھے۔

مسلمانوں کا ہندوؤں پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے تعلیمی علوم و فنون میں وسعت پیدا کی، قدیم ہندوستان کے شیشۂ وقار کو صدمہ پہنچائے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے، کہ مسلمانوں کے عہد سے

ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں

پہلے ہندوستان میں جن علوم کی تعلیم رائج تھی، ان کی فہرست نہایت مختصر تھی، نصاب تاریخ سے یہاں کے مدارس ہمیشہ خالی رہے، جغرافیہ کا وجود یہاں برائے نام تھا، فلسفہ، حکمت، اقلیدس، ہیئت، طب، شاعری، موسیقی وغیرہ علوم ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے، لیکن ان کی تعلیم اولاً تو مخصوص لوگوں کو ہوتی تھی، دوسرے یہ کہ ان علوم کے متعلق دُنیا کی دوسری قوموں کی جو تحقیقات تھی، اس سے یہاں سرتاپا ناواقفیت تھی مسلمان علمانے ان کے نصاب تعلیم کو ان فروگذاشتوں سے پاک کیا۔

مسلمانوں میں ہندوستان کا سب سے پہلا علمی فاتح بیرونی ہے، وہ سلطان محمود کے زمانے میں ہندوستان آیا۔ یہ مسلمانوں کی ہندوستان کی عملداری کا آغاز باب تھا۔ اور ضرورت تھی کہ ہندوؤں نے خلافتِ بغداد کو دوسری صدی ہجری میں جو علمی قرض دیا تھا، وہ مع سود کے واپس کر دیا جائے بیرونی کتاب الہند کے پہلے باب میں لکھتا ہے:۔

> "اجنبی ہونے کے سبب سے مجھ کو ہندو علمائے ہیئت کی پہلی شاگردی اختیار کرنی پڑی، لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد جب میری زبان دانی کی واقفیت بڑھ گئی تو

میری حیثیت اُستاد کی ہو گئی، چونکہ ہیئت اور ریاضیات میں مجھ کو کامل مہارت حاصل تھی، میں خود ان کو تعلیم دینے لگا، پنڈتوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، تعجب سے پوچھتے تھے کہ تم نے یہ باتیں کس پنڈت سے سیکھی ہیں، ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ کسی دوسری قوم کا آدمی بھی علوم وفنون میں اُن کا ہمسر ہو سکتا ہے، وہ مجھ کو جادوگر سمجھتے تھے، اور بحر العلوم کہتے تھے"۔

ہندو پنڈتوں کی واقفیت کے لئے اس نے عربی زبان سے حسب ذیل کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کیں:۔ رسالہ اصطرلاب[1]، مجسطی[2]، اقلیدس[3] کے مقالے، علاوہ ازیں ہندو پنڈتوں کے سوالات کے جواب میں بھی اس نے کئی رسالے لکھے، ہندو ہیئت دانوں نے ہیئت کے متعلق سوالات کئے تھے ۱۲۰۰ صفحوں میں اس نے ان کے جوابات لکھے، ایک رسالہ اس کا اس بحث پر ہے کہ اعداد کے مدارج جو عربی زبان میں ہیں، وہ بہ اعتبار ہندی کے زیادہ صحیح طریقہ پر مقرر ہیں،

مسلمانوں کے فتوحات نے ہندوستان میں جب وسعت حاصل کی، تو ہندو پنڈتوں کو ان کے اندرونی حالات سے

دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بھوجر برہمن نام بنارس کا ایک باشندہ قاضی رُکن الدین کی خدمت میں پہونچا، اور ان سے مسلمانوں کے علوم کی تکمیل کی، قاضی صاحب نے بھوجر سے سنسکرت سیکھی، اور اس کی مدد سے امرت کنڈ (حوضِ آبِ حیات) نام ایک کتاب کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔[1]

سلطان زین العابدین جو ۸۲۶ھ ہجری میں تخت کشمیر پر جلوہ آرا ہوا تھا، اور جس کے آثار سلطنت پر شہنشاہ اکبر نے اپنی حکومت کی بنیادیں کھڑی کی تھیں اس نے ہندوؤں کے لئے بہت سی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے ہندی میں کرائے فرشتہ کی عبارت یہ ہے۔

> وفرمود تا اکثرے از کتب عربی وفارسی بزبان ہندی
> ترجمہ کردند[2]

سری بھٹ نام ایک بید کو طبابت کی تعلیم دلاکر اپنے دربار میں یہاں تک ممتاز کیا، کہ وہ سیاسی معاملات میں بھی دخیل ہوگیا، فرشتہ لکھتا ہے:-

---

[1] جامع القصص العربیہ فی الاخبار الہندیہ ص۱۱۵ مطبوعہ فرانس (بن)

> و سلطان بجہت طبابت مہری بہت را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد (ص ۳۴۲)

ہندوؤں کو مسلمانوں سے جو قلبی نفرت تھی اس کا اثر یہ تھا کہ کوئی ہندو مسلمان بادشاہوں کے دربار میں نوکری تک قبول نہیں کرتا تھا، رسوم و عادات کی یہ بندشیں سب سے پہلے دکن میں ٹوٹیں، مسلمان سلاطین نے ہندو فاضلوں کی قدر افزائی شروع کی، اور اس بہانہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں سے مانوس ہونے لگے۔

شہزادہ محمد تغلق کے دربار میں گنگو نام ایک برہمن خدمت منجمی پر ممتاز تھا حسن بہمنی جو دکن میں بہمنی حکومت کا بانی ہوا ہے وہ اس منجم کا نہایت ممنون احسان تھا، اس تقریب سے دکن کے برہمنوں کو بہمنی حکومت کے ساتھ موانست پیدا ہوئی، اور بالآخر تمام دفاتر سرکاری کے وہ مالک بن بیٹھے۔ فرشتہ میں ہے:۔

> مشہور است کہ پیش ازیں برہمنان پیرامون عہد و عمل شہریارانِ اسلام نمی گردیدند و در قرایا و زوایا و سواحل انہار بکسب انواع علوم خصوص علم نجوم اشتغال داشتہ، متوکلانہ زندگی می گردند، و ملازمت اہلِ دنیا

خصوصی مسلمانان را مزیل حسنات دانستہ و شقاوت ابدی تصور کردہ پیرامون عہد و عمل نمی گردیدند اگر احیاناً بعضے از ایشاں بوسیلۂ طبابت و نجوم و وعظ و قصہ خوانی در صحبتِ ارباب جاہ می بودند بہ انعام و احسان ایشان مخصوص گشتہ قلادۂ نوکری در گردن نمی انداز ند، اول کسیکہ از فرقہ براہمہ در دور سلاطینِ اسلام نوکری کرد، گانگو ہنڈت بود و تا حال کہ ۱۰۱۵ھ است بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہانِ دکن دنویسندگی ولایت ایشاں بہ بہامنہ مرجوع است۔ (جلد ۱ صـ ۲۷۸)

شاہی دفتر کی زبان عموماً فارسی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اہلکار فارسی زبان اب سیکھنے لگے۔ ابراہیم عادل شاہ جو ۹۴۱ھ میں دکن کے عادل شاہی خاندان کا فرمان روا ہوا تھا، اس نے فارسی زبان بھی دفتر سے برطرف کر دی!

و دفتر فارسی برطرف کردہ ہندوی کرد و بہامنہ را صاحبِ دخل گردانیدہ، (فرشتہ ص ۲۷ ج ۲)

شمالی ہندوستان کی نسبت مشہور ہے کہ سب سے پہلے سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں یہاں ہندوؤں نے فارسی

پڑھنی شروع کی، تاریخوں کے پڑھنے سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ ہندو رعایا کی تعلیم کے لئے اس سے پہلے کوئی خاص انتظام نہیں کیا گیا تھا بلکہ جو طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم ان میں مدتوں متوارث چلا آتا تھا، اس میں کوئی دخل نہیں دیا گیا، اپنے طور پر درس و تدریس کے جو انتظامات ان میں جاری تھے۔ ان کو علیٰ حالہٖ باقی رکھا گیا، اپنی تاریخ پروموشن آف لرننگ ان انڈیا کے دیباچہ میں اس کے مؤلف لکھتے ہیں:

> "ابھی وہ دن دور تھا جب کہ ہم مسلمان سلاطین کو ہندو اور مسلمان دونوں رعایا کی تعلیم کی برابر سرپرستی کرتے ہوئے اور ایک ہی جوش کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کے علوم کو ترقی دیتے ہوئے پائیں سب سے پہلے مسلمان فاتح کے ہندوستان میں قدم جمنے کے ایک صدی یا دوسری صدی بعد تک ہندوؤں کی تعلیم اور ان کے علوم اپنے (قدیم) راستہ پر اپنے حامیوں کی اعانت سے چلتے ہیں۔"

مگر بعض قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ فارسی تعلیم کا رواج ان میں اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا، سلطان فیروز شاہ تغلق نے جو

۷۵۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا، کانگڑہ کی فتح کے موقع پر جوالا مکھی کی سیر میں اس کو ایک چھوٹا سا کتب خانہ ملا تھا، پنڈتوں سے چند کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا سیر المتاخرین کی عبارت یہ ہے:۔

> "سلطان علمائے آں طائفہ را بحضور خویش طلب داشتہ مضامین آں را شنیدہ محظوظ گردید و فرمود بعضے ازاں کتب را بہ فارسی ترجمہ کنند"

بہر حال مورخین کا مطلب یہ ہے کہ با قاعدہ اور عمومیت کے ساتھ ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا رواج سلطان سکندر لودی کے زمانہ سے ہوا، سلطان لودی نے ہندوؤں کے بتان کی جگہوں میں مساجد، مدرسے، اور بازار قائم کئے، سپاہیوں کو تعلیم پر مجبور کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں میں بھی عام طور پر فارسی تعلیم رائج ہوگئی۔ فرشتہ شہادت دیتا ہے:۔

> بعہد فرخندۂ او علم رواج یافت و امراء و ارکان و سپاہیان بکسب فضائل اشتغال نمودند و کافران بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آں زمان درمیان ایشان معمول نبود پرداختہ،

اس کے بعد شیر شاہ کا زمانہ آتا ہے، اس نے ہندوؤں کے

ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا بہت سے ہندوؤں نے فارسی پڑھ پڑھ کر دکن کی طرح شمالی ہندوستان میں بھی دفاتر سرکاری میں نوکریاں حاصل کیں، راجہ ٹوڈرمل جو اکبر کے نورتن میں شامل ہے، وہ شیر شاہ ہی کا تربیت کردہ تھا، اور اس کے محکمۂ مالگذاری کا دیوان تھا،

تیموریوں کے زمانہ میں ہندوؤں کی تعلیمی ترقی درجۂ کمال تک پہونچ گئی، گو اس کی تفصیلات نہ ملیں، لیکن استقصائے جزئیات سے یہ نتیجہ واضح طور سے نمایاں ہوتا ہے، کہ فارسی زبان کی تعلیم ان کے زمانہ میں گھر گھر پھیل گئی،

فارسی تعلیم کے علاوہ سنسکرت اور دیگر مذہبی علوم کی تعلیم کے لئے ملک کے مشہور شہروں میں بڑی بڑی درسگاہیں تھیں، جہاں دور دور سے طلبا آکر شریکِ درس ہوتے تھے، یہ درسگاہیں ٹھٹھہ، ملتان، اور خصوصاً بنارس میں زیادہ تھیں[1]، سلاطین تیموری بھی ان علوم کی دستگیری میں کمی نہیں کرتے تھے، درباروں میں ان کو مسلمان فضلائے عہد کے پہلو بہ پہلو جگہ ملتی تھی، ابوالفضل نے آئین اکبری کے ہندو فضلا کے حسب ذیل نام لکھے ہیں:۔

مہادیو، بھیم ناتھ، نارائن، شیوجی، مادھو، رام چندر، سری بھٹ، مادھو سرستی، جدروپ، بشن ناتھ، مدسودن، رام کشن،

---

[1] مآثر عالمگیری ص ۸۱

نارائن اسرم، بلبھدر مصر، ہرجی سور، باسدیو مصر، دامودر بھٹ، نارائن بھٹ، رام تیرتھ، بدھ نواس، نرسنگھ، گورکی ناتھ، برم اندر، گوپی ناتھ، بجی سین سور، کشن پنڈت، نہال چندر، بھٹاچارج، کاشی ناتھ دیوی برہمن۔ دیوی برہمن نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

اکبری دربار میں فن مصوری و نقاشی کے جو ماہرین تھے، ان میں مسلمان اُستادوں کو چھوڑ کر حسب ذیل ہندو اساتذہ تھے:۔

دسونت کمار، دساون، کیشو لال، مکند، مادھو، جگن، مہیش، کھیم کرن، تارا، ساونلا، ہری بنس، رام۔

جس طرح اس عہد میں کتابیں سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئیں بعض کتابوں کا عربی و فارسی سے سنسکرت میں بھی ترجمہ کیا گیا، مرزا الغ بیگ کی زیچ، علم ہیئت کی آخری اور مستند کتاب ہے، مسلمان اور ہندو فضلاء کی ایک مشترکہ مجلس نے اس کا سنسکرت میں ترجمہ کیا، ہندو علماء میں سے کشن، جوتشی، گنگا دھر، مہیش اور مہانند اس مجلس کے ممبر تھے۔

جہانگیر نے بھی ہندو فضلاء کی قدردانی میں کمی نہیں کی، اس کے عہد میں جدروپ گوشائیں نہایت مشہور بیدانت تھا، وہ پا پیادہ اس کے جھونپڑے تک جاتا اور گھنٹوں اس کے پاس بیٹھا رہتا

راستے چلتے کسی سنیاسی کا نام سُنتا تو اس کی مُلاقات کو اُتر پڑتا، ایک دفعہ وہ سفر کر رہا تھا، کہ ناگاہ ایک مقام پر اس کو بہت سے جوگی نظر آئے، تزک میں لکھتا ہے:۔

> ”در ہمیں منزل شب شیورات واقع شد جوگی بسیار جمع آمدہ بودند...... با دانایان ایں طائفہ صحبتہا داشتہ شد“

رائے منوہر لال ولد رائے لون کرن لڑکپن سے جہانگیر کے زیر سایۂ عاطفت تعلیم پاکر جوان ہوا تھا، فارسی زبان کی شاعری اور خوشخطی میں سلیقہ خاص پیدا کیا[1]، راجہ سورج سنگھ نے ایک ہندو شاعر کو دربار میں پیش کیا، جہانگیر اس کے چند ہندی اشعار سن کر نہایت محظوظ ہوا، اور ایک ہاتھی اس کو عطا کیا[2]، اس کے دربار کا مشہور نقاش بشن داس تھا، جس کو جہانگیر نے[3] ایران بھیجا تھا۔

دارا شکوہ کا دربار ہندو فضلا اور شعرا سے بھرا رہتا تھا، وہ خود بھی ہندوؤں کے علوم و فنون میں مہارت رکھتا تھا، اس لئے ہندو علما کو عزیز رکھتا تھا، اس کے دربار کا گویا ملک الشعرا ایک برہمن

---

[1] تذکرہ خوش نویسان [2] تزک جہانگیری [3] ایضاً ص ۲۸۵

چندربھان نامی تھا، اس کا تخلص برہمن تھا، فارسی میں دل پسند شعر کہتا تھا، اس کا دیوان فارسی اب تک موجود تھا، داراشکوہ کے قتل کے بعد بنارس میں آکر سکونت اختیار کرلی تھی، جہاں اس نے ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی۔

اس مضمون میں بدنصیب عالمگیر کا نام کسی دوستانہ حیثیت سے تو بار نہیں پاسکتا، لیکن دشمنانہ انداز میں بھی کیا رسمِ محبت کا سراغ لگ سکتا ہے، مآثر عالمگیری میں ہے:۔

"بہ عرض خداوند دین پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹھہ و ملتان خصوص بنارس برہمنان بطالت نشان در مدارس مقررِ بہ تدریس کتب باطلہ اشتغال دارند و راعیان و طالبان از ہنود و مسلمانان مسافتہائے بعیدہ طے نمودہ جہت تحصیل علوم شوم نزد آں جماعت گمراہ می آیند، احکام اسلام نظام بہ ناظمان کل صوبجات صادر شد کہ مدارس و معابد بے دیناں دستخوش انہدام سازند و بہ تاکید اکید طور درس و تدریس و رسم شیوع مذہب کفر اینہا براندازند۔" (ص ۸۱)

اس عبارت سے جہاں عالمگیر کی تنگ دلی ظاہر ہوتی ہے یہ بھی

ثابت ہوتا ہے، کہ اس وقت ہندوستان کے تمام صوبوں میں ان کے مدارس قائم تھے، غالباً ان مدارس کے توڑنے کے احکام اسی اصول پر مبنی ہوں گے جس کی مثال ہم کو روشن عہد حکومت کی تعلیمی پالیسی میں نظر آتی ہے۔

محمد شاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ والیٔ جے پور نے دِلّی بنارس، اور اُجین میں رصد خانے قائم کرائے۔ ملا خیر اللہ مہندس رسد خانہ، دلی کے خاص منتظم تھے، بنارس کا رصد خانہ اب تک موجود ہے، اور ہندوؤں کے تہواروں میں اور شادی بیاہ کی تاریخوں میں اب تک اس سے مدد لی جاتی ہے۔

جے سنگھ نے مسلمان علما کو جمع کر کے عربی زبان کی چند مشہور ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا، اس تمام عہد میں ہندوؤں کی تعلیم روز بروز ترقی کرتی گئی، فارسی دانی کا ذوق، علوم عربی کی تحصیل کا شوق، شاعری کا مذاق، خطاطی، خوشنویسی، حساب وغیرہ کی تعلیم نہایت عام ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس عہد میں یہ نظر آتا ہے، کہ ہر شریف ہندو کچھ نہ کچھ لکھا پڑھا تھا، یہ تو ہم نہیں کہتے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں کتابوں کے جمع کرنے اور کتب خانوں کے قائم کرنے کا شوق نہ تھا، کانگڑہ کی فتح میں مسلمانوں کو جو کتب خانہ

ملا تھا، اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، لیکن اس عہد میں مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہندو شرفا میں کتب خانوں کے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا، تاریخی حوالوں کو چھوڑ کر، آج ہندوؤں کے جو قدیم شریف گھرانے موجود ہیں، وہاں عربی اور فارسی کی چند فرسودہ جلدیں کس مپرسی میں پڑی ہوئی ملیں گی، بڑے بڑے ہندو امراء کے ایوانوں میں دیگر سامانِ آرائش کے ساتھ ساتھ کتب خانہ کا وجود بھی لوازمِ ریاست سے سمجھا جاتا تھا، لاہور، دِلّی، لکھنؤ، پٹنہ، اور ڈھاکہ میں ایسے بکثرت گھرانے ملیں گے، پٹنہ میں اس وقت دو ایک ایسے قدیم ہندو رئیس موجود ہیں، جن کے یہاں عربی کتابوں کے نوادر نسخے اب تک موجود ہیں، اور ان کو اس قدر عزیز ہیں، کہ وہ ان کو جدا نہیں کر سکتے، راجہ شتاب رائے ناظم بہار کے خاندان میں اس قسم کا ایک نادر کتب خانہ موروثی چلا آتا ہے؛

(۳)

صفحاتِ ماسبق میں جو کچھ کہا گیا وہ جنوبی اور شمالی ہندوستان اور کشمیر کے متعلق تھا، آگے ہم اس خطۂ ہند کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، جو ہندوستان کا سرتاج اور مایۂ فخر و ناز ہے، یعنی بنگال،

بنگال

بنگالی زبان آج اپنی ثروت اور تموّل کے لحاظ سے تمام ہندوستان کی زبانوں میں سب سے زیادہ دولت مند ہے، لیکن یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ اس کی ترقی کا آغاز بنگال میں مسلمانوں کی ابتدائے حکومت سے ہوتا ہے، اس سے پہلے یہ زبان کاغذ کے ایک صفحہ کی بھی مالک نہ تھی، بنگالی زبان کی سرسبزی اور شادابی کی آج دھوم ہے، لیکن مسلمانوں سے پہلے اس زمین میں ایک تخم بھی نہ بویا گیا تھا۔

اس دعوے کے ثبوت میں ہم اپنی تحقیقات کے بجائے ایک فاضل بنگالی مورخ کی تاریخ "ترقی علوم در ہندوستان" کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:۔

"سلاطین بنگال کی کوششیں صرف مسلمانوں کی تعلیم کی

ترقی تک محدود نہیں رہیں، کیونکہ انھوں نے اپنی دیرینہ بیدار مغزی کو ایک نئے راستہ پر علوم کو ترقی دینے میں جس کے ساتھ بنگالی بولنے والے لوگوں کو خاص طور سے دلچسپی ہونا چاہیئے، متوجہ کیا، ان لوگوں کو یہ بات بے جوڑ معلوم ہوگی، کہ ان کی زبان اپنی علمی سطح تک پہونچنے میں خود انکی نہیں بلکہ ان مسلمانوں کی ممنون ہے جن کی ابتدائی توجہ اس کی طرف، صرف اس کی ندرت کی بنا پر، اور اس بنا پر تھی، کہ اس کو اس سنسکرت زبان سے تعلق ہے، جو اس وسیع ہندو آبادی کا محبوب خزانہ ہے جس کے ساتھ ان کو بہت زیادہ تعلق ہے۔

سب سے پہلے مہابھارت اور رامائن کی رزمیہ نظموں نے بنگال کے مسلمان سلاطین کو اپنی طرف متوجہ کیا، جن کے اشارے سے ان کا بنگالی یعنی ملکی زبان میں ترجمہ ہوا۔ مہابھارت کا سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ والیِ بنگال (سنہ ۱۲۸۲ء سے سنہ ۱۳۲۵ء) کے حکم سے ہوا، جو صوبہ کی دیسی زبان کا بہت بڑا مربی تھا، اور جس کو شاعرِ اعظم ودیاپتی نے اپنی نذر دے کر زندۂ جاوید بنا دیا، وہ

(اپنی ایک نظم میں) سلطان غیاث کا بھی ذکر کرتا ہے، جس سے غالباً غیاث الدین ثانی والیِ بنگال (۱۳۶۷ء تا ۱۳۷۳ء) مراد ہے۔

...... یہ مشکوک ہے کہ بنگال کے کسی مسلمان بادشاہ یا ہندو راجہ[1] کانس نرائن نے کرتی دیس کو بنگالی میں رامائن ترجمہ کرنے کا حکم دیا، اگر پچھلی روایت صحیح ہے، تو اس میں شک نہیں کیا جا سکتا، کہ مسلمانوں ہی کی نظروں نے اس کارنامہ کے انجام پر اس کو آمادہ کیا۔

سلطان حسین شاہ بنگالی زبان کا بہت بڑا مربی تھا مالادھر باسو کو اسی نے بھاگوت پران کے بنگالی ترجمہ پر مقرر کیا، حسین شاہ کا ایک سپہ سالار پرگل خاں نامی ہے، پرگل خاں اور اس کے بیٹے نے اپنے نام کو اس بنا پر بقائے دوام بخش دیا ہے، کہ انہوں نے مہابھارت کا ٹکڑا بنگالی میں ترجمہ کرایا۔

- پرگل خاں روزانہ شام کو اپنے محل پرگل پور واقع فینی میں اپنے اہلِ دربار کو جمع کرتا تھا، کہ مہابھارت کے بنگالی

---

[1] سلمانی کے عہد حکومت میں چند سال کیلئے یہ بنگال کا راجہ بن بیٹھا تھا۔ اسکا بیٹا تخت نشین ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔

5079

ترجمہ کو مترجم یعنی کوندراپرملیشور کی زبان سے سُنیں
پرگل خاں کے زیرِ اہتمام اس رزمیہ نظم کا ترجمہ "استری پرب" تک
پورا ہوا، اس کے بعد چھوٹے خاں جو چاٹگام کی گورنری پر
جانشین ہوا، اس نے سری کرن نانڈی شاعر کو مقرر کرکے
اس کام کو جاری کیا، اور "آشمو یدھ پرو" کا ترجمہ کرایا۔
مسلمان امرا کے اشارے سے بنگالی میں سنسکرت اور
فارسی کتابوں کے ترجمہ کرنے کی مثالیں شاذ نہیں ہیں،
انھوں نے سنسکرت کے عشاق برہمن اور ہندو راجاؤں
کے اس مغرور جذبہ کو جس سے وہ بنگالی زبان کو دیکھتے
تھے بدل دیا، مسلمان امرا کی تقلید میں بنگالی مصنفین کی
ہمت افزائی اور درباروں میں بنگالی شعرا کے رکھنے کا
ہندو راجاؤں میں عام رواج ہو گیا، اس زمانہ سے کتنے
ممتاز بنگالی شعراء اور مصنفین نے ہندو راجاؤں کے دربار
کو آراستہ کیا۔ جس کے سبب سے بنگالی مقبولیت عام میں
بلند سطح تک ترقی کر گئی، اور ان زبانوں کی جو اپنے پاؤں
اس صوبہ میں گاڑ رہی تھیں حریف بن گئی۔[1]

---

[1] ص ۱۱۱۲،۲ پروموشن آف لرننگ ان انڈیا۔

الغرض رفتہ رفتہ عربی اور فارسی زبان کی تعلیم بنگالی شرفاء کا طغرائے امتیاز بن گئی، خصوصاً ان خاندانوں کے لئے جن کو حکمرانوں کی نیابت اور سرکاری عہدوں پر سرافرازی کا موروثی حق ہوگیا تھا، مہاراجہ سورجو کنترا، چارجی ٹاکی، مہاراجہ جتندرو موہن ٹاگور، اور مہاراجہ ناواکرشنا کے خاندان بنگال میں عربی و فارسی علوم وادبیات کے مربی تھے، اور ان کے فرزند، ان علوم میں عالمانہ مہارت رکھتے تھے، راجہ رام موہن رائے بانیٔ فرقہ برہمو سماج اور راجہ کیشب چندر سین جنھوں نے آخر زمانہ میں بنگالی قوم میں مصلحین اعظم کا درجہ پایا ہے، علوم اسلامیہ کے واقفین میں ان کا شمار ہے، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، ندوہ کے اجلاس مدراس (۱۹۱۶ء) کی تقریر میں فرماتے ہیں:۔

> "بنگال کے جدید دور ترقی کا سنگ بنیاد راجہ رام موہن رائے کے قابل ہاتھوں سے رکھا گیا، یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے پٹنہ میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، گزشتہ موسم سرما میں کلکتہ کے ایک نامور بنگالی بابو نے مجھ سے کہا کہ ان کے باپ اور چچا کے زمانہ تک کلکتہ سے بکثرت بنگالی عربی پڑھنے جایا کرتے تھے، چنانچہ ان کے چچا نے پندرہ برس میں علوم عربیہ کی تکمیل کی تھی۔"

گریش چند گھوش نے قرآن مجید، تذکرۃ الانبیاء اور مشکوٰۃ کا بنگالی ترجمہ کیا؛

ان ہی اسباب کا اثر ہے کہ بنگالی زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ خصوصاً آدابِ سلطنت اور کارروائی ہائے مقدمہ کے الفاظ بکثرت ہیں، اور اب رفتہ رفتہ ان کی جگہ انگریزی لے رہی ہے، تاہم بنگال کی ڈیڑھ دو سو برس کی انگریزی حکومت کے بعد بھی ان الفاظ کا اب تک بنگالی میں رواج پذیر رہنا، اس کے یہ معنی ہیں کہ اس زبان میں ان مفاہیم کے لئے سرے سے الفاظ ہی نہ تھے؛

بنگال کے بعض ممتاز خاندانوں کا سرنام اب تک فارسی ہے مثلاً ملک، عہدہ دار، موزمدار۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے حاکمِ وقت کی زبان سے کس درجہ محبت تھی،

مہاراشٹر کی مرہٹی زبان جو کہنا چاہئے کہ یہ ہندوستان کی اس قوم کی زبان ہے، جس کا اگر بس چلتا تو مسلمانوں کی ہستی کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ ڈالتی، تم اس سے قیاس کر سکتے ہو کہ مسلمانوں کے علوم و فنون اور زبان سے اس کو کس درجہ نفرت ہوگی، لیکن یہ معلوم کر کے تعجب کی انتہا نہ رہے گی، کہ مرہٹی زبان کے بنانے میں مسلمانوں کے زبان و قلم نے سب سے زیادہ کام کیا ہے، دہقانی اور صحرائی مرہٹوں کو طرز و

آداب شاہی سیکھنے کے لئے اپنے ان ہی دشمنوں کا دست نگر ہونا پڑا، ابتدائً مرہٹی زبان ایک وسیع ملک کی جہانداری کی قوت نہیں رکھتی تھی، اس لئے ناچار انہی مسلمانوں اور برہمنوں کا اس کو ممنون ہونا پڑا، جنھوں نے فارسی زبان پڑھی، اور سیکھی تھی، مرہٹہ راجاؤں کے فرامین آج بھی تم پڑھ لو تو آدھے سے زیادہ اس میں اصلی یا بگڑے ہوئے فارسی و عربی الفاظ کی آمیزش پاؤگے، تعلیم یافتہ سے تعلیم یافتہ مرہٹہ آج قدیم مرہٹی زبان کے لٹریچر کے سمجھنے سے اپنے کو عاجز پاتا ہے،

آداب و قواعد سلطنت، کاغذات سرکاری، صنعت وحرفت، خانگی زندگی ہر ایک چیز میں اس کی زبان کا اصلی راس المال عربی و فارسی زبان کے الفاظ ہیں، ہمارے دوست شیخ عبدالقادر صاحب ایم۔اے پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی جو مرہٹی کی زبان دانانہ لیاقت رکھتے ہیں، وہ مرہٹی زبان کی ایک ڈکشنری لکھنے والے تھے، جس سے بیک دفعہ یہ نظر آجاتا ہے کہ عدالت، کتب خانہ، مدرسہ، بازار، کارخانہ، ہر جگہ مرہٹی کے آلات تخاطب عربی و فارسی الفاظ ہیں حلوائی کی دکان سے بڑھئی اور لوہار کے مکان تک چلے جاؤ، آلات کے نام اور تہذیب و تمدن کے الفاظ کا ماخذ مسلمانی

ہی کی زبان کو پاؤ گے، تاریخ کے لئے لفظ مرہٹی میں نہ تھا، اب اسکو باکھر کہتے ہیں، اس زبان کے محققین کا بیان ہے، کہ یہ کھبر کی تحریف ہے کھبر سمجھے؟ خبر،

بیسیوں ہندو خاندان وہاں آباد ہیں، جن کا سرمایۂ امتیاز یہ ہے، کہ عہدِ قدیم میں ان کا خاندان فارسی کا خدمت گذار تھا، اور اب تک ان کا خاندانی سرِنام وہی فارسی زبان کا لفظ ہے، مثلاً "پھرنیس" یعنی فرد نویس، چٹنیس یعنی "چٹھی نویس" کلہ دار، قلعہ دار، پوت دار یعنی پوتھی دار، ایک قسم کے مرہٹہ سپاہی کا نام "سلہ دار" تھا، اس کی اصل سمجھے سلحدار، تگائی تم جانتے ہو؟ تم جس کو تقاوی بولتے ہو آج کل دکن میں مرہٹوں اور برہمنوں کی زبانی پر حسب ذیل عہدوں کے نام عام طور سے جاری ہیں :۔

مقدم :۔ چودھری
فوجدار :۔ سب انسپکٹر
معاملہ دار :۔ تحصیلدار
ناجر :۔ ناظر
کارکن :۔ محرر

سررسہ دار :- سررشتہ دار

دیوان :- سکریٹری

ملک دکن اور مہاراشٹر کی تقریب سے ہم نے حیدرآباد کا ذکر نہیں کیا۔ سبب یہ ہے کہ اس مجسمۂ عدل و انصاف ریاست نے اپنی ہندو رعایا کی تعلیمی و علمی ترقی میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ ایک مضمون کے ضمن میں نہیں، بلکہ ایک کتاب کے سیکڑوں صفحات میں ان کا تذکرہ ہونا چاہیئے، صرف ایک حیدر آباد کی اسلامی ریاست نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ جو کچھ کیا اور کر رہی ہے، تمام ہندوستان کی ہندو ریاستوں نے مل کر بھی اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ اتنا نہیں کیا، اس وقت موضوعِ سخن صرف علمی و تعلیمی حالات ہیں، اس لیئے صرف اسی زاویۂ نگاہ سے اگر دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ علاوہ عام تعلیم کے جس کی بدولت ریاست کے تمام دفاتر پر ہندو اہل کار قابض رہے ہیں، اعلےٰ تعلیم کے لحاظ سے بھی ہر عصر میں یہاں ہندو اہل قلم مصنفین اور شعراء موجود رہے ہیں، اس بیان کی تصدیق کتب خانۂ آصفیہ کی مطبوعہ فہرست کی دو جلدوں میں ملے گی، منشی لچھمی نرائن شفیق، مصنف بساط الغنائم

وتاریخ دکن، لالہ گردھاری لال مصنف تاریخ دکن، رائے منالال مصنف تاریخ دکن، لالہ لچھمی نرائن مصنف چمنستان شعراء، راجہ گردھاری پرشاد باقی، صاحب دیوان ومثنوی، مہاراجہ چندولال شان صاحب کلیات، نندرام مصنف سیاق نامہ، جگناتھ نجومی مصنف تقویم التواریخ، حکیم رائے بچولال تمکین، صاحب دیوان ومصنف مجربات، رتن لال مصنف تخطیط البلاد، وغیرہ کے سیکڑوں نام گنائے جاسکتے ہیں، اور عجب نہیں کہ کوئی حیدرآبادی قلم ان سے بھی بہتر اشخاص کے نام پیش کرسکے۔

بہار، اودھ، صوبہ آگرہ اور دلی کے متعلق بے خطر کہنا چاہیے کہ یہاں ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے برابر برابر تھی، ان ممالک کے بے شمار ہندو فضلا کے نام تذکروں میں محفوظ ہیں، فقط ایک لکھنؤ میں ہندو شعراء کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوئی ہوگی، لکھنؤ کے کشمیری ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا رواج انتہائی عروج پر تھا، لکھنؤ میں راجہ الفت رائے الفت، کالی پرشاد اخلاص، لال چند انس، راجہ گنگا پرشاد نادر، منشی خیالی رام خیالی بختاور سنگھ راقم، میکولال الفت، رام سہائے رونق، میڈولال نثار، راجہ جیالال گلشن، راجہ کالکا پرشاد موجد، منشی الممالک راجہ

جوالا پرشاد وقار، دیگر اضلاع اودھ و الہ آباد میں منن لال آفریں الہ آبادی، رائے امر سنگھ خوش دل مانک پوری، گوکل چند ہندو فرخ آبادی، راجہ مدن سنگھ موزوں اٹاوی، رائے گلاب رائے گلشن سندیلوی سکھن لال موجد بدایونی۔ لالہ بیجناتھ مشتاق بریلوی، لالہ رام بخش مطیع قنوجی، لالہ بالمکند شہود مانک پوری، منشی ایشری داس آرام فرخ آبادی اندرمن اورنگ آبادی (علی گڑھ) آگرہ میں چندر بھان برہمن، شیورام حیا، رائے منوہر ولد رائے لون کرن، عظیم آباد پٹنہ میں لالہ اجاگر الفت، راجہ پیارے لال الفتی، راجہ بہادر راجہ، راجہ رام نرائن موزوں، بینی پرشاد دل وغیرہ فارسی زبان کے مشہور شاعر سخن فہم انشا پرداز اور فاضل گزرے ہیں؛

الہ آباد کے مشہور ہندو لیڈر مالوی جی اگر اس کو یاد رکھتے، تو اچھا تھا۔ کہ ممالک متحدہ کے ہندوؤں کے سب سے پہلے لیڈر جو اسی شہر الہ آباد میں آپ کے ہم پیشہ تھے، اور جن کی کوشش سے آپ "پالیٹکس" کے لفظ سے گوش آشنا ہوئے۔ وہ عربی و فارسی علوم کے ایک بہت بڑے ہمہ داں فاضل تھے، یعنی پنڈت اجودھیا ناتھ وہ ایک طرف کانگریس کے پلیٹ فارم پر لکچر دیتے تھے، تو دوسری طرف اپنے گھر میں بیٹھ کر متنبی اور عرفی کا درس دیتے تھے۔

پنجاب بھی مسلمانوں کے تعلیمی اثر سے خالی نہیں، مل سیالکوٹی متخلص بہ وارستہ، جو فارسی کے مشہور لغت مصطلحات الشعراء کا مصنف ہے، وامق کھتری شاگرد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، منشی پچھمی نرائن دبیر گنجاوی لاہوری پنجاب کے نامور ہندو فضلاء ہیں، پچھمی نرائن کو معقولات میں بھی بڑی مہارت حاصل تھی، مصطلحات فارسی کی تحقیق میں وارستہ نے ۳۰ برس گزارے تھے۔

دلی میں منشی مادھورام منشی، رائے منوہر لال منوہر، مرزا راجہ کدار ناتھ تسنیم، مرزا کو ذرا دیکھئے گا! راجہ گوپال ناتھ غلام، پورن لال رنگین، بہادر سنگھ دلخوش، لالہ جینی داس ذرہ، شیو سنگھ بیجان، لالہ نرائن داس بیخود، سکھراج سبقت، منشی گوہر لال تفتہ وغیرہ سیکڑوں فضلا گزرے ہیں[۱]۔

دیہاتوں میں تعلیم کا طریقہ وہی تھا، جو مدت دراز سے ہندوستان میں جاری ہے، گروجی دیہات کے زمیندار کے ہاں نوکر ہوتے تھے، یا تمام گاؤں کی طرف سے ان کو تنخواہ ملتی تھی، لڑکے کسی کچے مکان کے برآمدے میں یا سایہ دار درخت کے نیچے لپی ہوئی زمین پر بیٹھ جاتے تھے، ہاتھ میں لکڑی کا سیاہ رنگا ہوا تختہ ہوتا تھا، اس پر کھریا کی سفید روشنائی سے لکھتے تھے یا

[۱] یہ تمام نام مختلف فارسی تذکروں سے التقاط کیے گئے ہیں۔

کھریا مٹی کے ڈھیلے سے زمین پر لکھتے تھے، ہندی لکھنا پڑھنا اور پہاڑا اور حساب ان کو سکھایا جاتا تھا، یہ گویا پرائمری تعلیم تھی۔

عام تعلیم تو یہیں ختم ہو جاتی تھی، جو لڑکے آگے بڑھنا چاہتے تھے، وہ یا سنسکرت اس کے بعد سیکھتے تھے، اور پنڈت بنتے تھے، اور یا سرکاری زبان فارسی کی تعلیم حاصل کر لیتے تھے، قصبوں میں فارسی کے مکتب ہوتے تھے، ہندو اور زیادہ تر مسلمان "میاں جی" پڑھاتے تھے، فارسی کی ابتدائی تعلیم میں بول چال، خط و کتابت اور اخلاقی حکایات کی کتابیں داخل ہوتی تھیں، ہندو مسلمان لڑکے ایک ساتھ نہایت میل جول اور یکجہتی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ گلستاں، بوستاں، یوسف زلیخا، انشائے خلیفہ، بہار دانش، اخلاق ناصری، انوار سہیلی، سکندر نامہ، شاہ نامہ وغیرہ کتابیں داخل درس تھیں، خوشخطی اور فارسی نویسی سکھائی جاتی تھی۔ فرامین اور دیگر مراسلات سرکاری در خطِ شکست کے پڑھنے کی عادت پیدا کرنے کے لئے پرانے لمبے خطوط کا ایک طومار "میاں جی" اپنے پاس رکھتے تھے جس میں سو دو سو خط لمبے جڑے ہوتے تھے، مکتب کے طالب علم ان کو پڑھتے تھے، اس کو اسکول کی تعلیم سمجھنا چاہیے۔

اس کے بعد یا تو لڑکے نوکری کر لیتے تھے، اور یا تکمیل کے لئے

مشہور اساتذہ کی خدمت میں بڑے بڑے شہروں میں چلے جاتے تھے، ان سے فارسی کی اعلیٰ تعلیم، شاعری، علوم اور کچھ عربی کی کتابیں پڑھتے تھے، بعض بعض طلبا تمام علوم مروجہ کی تکمیل کرتے تھے؛

ابوالفضل نے آئین اکبری میں اپنے زمانہ کا نصاب تعلیم یہ بتایا ہے:۔

اخلاق، ریاضیات، حساب، زراعت، اقلیدس، مساحت، ہیئت، رمل، قواعد مال، آئین سلطنت، طب، طبیعات، الہیات اور تاریخ، ہندوؤں کو ان علوم کے علاوہ ویاکرن (سنسکرت صرف و نحو) ویدانت (ہندو تصوف و اخلاق) پاتن جلی (ہندو فلسفہ) بھی پڑھنی پڑتی تھی، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس تعلیم کی بدولت تمام سلطنت آراستہ و مرصع ہو گئی تھی، اس کو اس عہد کے کالج کی تعلیم سمجھنی چاہیئے۔

سطور بالا میں تحصیل کمال اور طلب علم کے لئے جابجا اساتذہ کی خدمت میں سفر کا جو نقشہ میں نے کھینچا ہے، فارسی تذکروں کے پڑھنے سے خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے، ذیل میں منشی لچھمی نرائن دبیر کے حالات تعلیم کی سطریں ایک فارسی تذکرہ سے نقل کرتے ہیں:

جد و پدرش در دہلی بوکالت امرائے عالمگیری و محمد شاہی

عزو امتیاز داشت، دبیر در طفلی از مولوی شیخ محمد گرفت درسن دوازدہ سالگی بشوق نظم و نثر در مجلس استفادہ سراج الدین علی خاں آرزو جا گرفت و برائے تحصیل صرف و نحو نزد لالہ ٹیک چند بہار می رفت بعد رشد خدمت علمائے اعلام را التزام نمود و مشغول اکتساب علم طب و دیگر علوم عقلیہ بود۔"

(در سنہ ۱۲۰۵ھ مرد)

ہندو اور مسلمان طلبا ان اساتذہ کی خدمت میں جس محبت و یکجہتی کے ساتھ مل کر تعلیم پاتے تھے، اور استاد بھائی بن کر جو رشتۂ اتحاد باہم قائم کر لیتے تھے، وہ آج کل کے شاندار ایوانوں کے تاریخی زمانہ میں مفقود ہے۔ محمد حفیظ خاں المتوفی سنہ ۱۱۹ھ ایک نامور استاد تھے، ان کے شاگردان با اخلاص کے نام سنیئے:۔

میر ابو الحسن، منشی لچھمن سنگھ، میر گلّن، قادر بخش، پنڈت لچھمی رام، محمد اسمٰعیل، لالہ سکھرام، منشی کشن سنگھ، محمد تقی، منشی محبوب رائے، دیکھنا! منشی "محبوب رائے" کتنا پیارا نام ہے، کیا یہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد باہمی کی عملی دلیل نہیں، لالہ چینی داس ذرہ دلی کے ایک مشہور معلم تھے، جن کے

مکتب میں ہندو مسلمان لڑکے پڑھتے تھے۔ ہندوستان کے خاتمۃ العلماء مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب مرحوم کے اُستاد فارسی منشی سوہن لال تھے، اور مولانائے مرحوم کے تلامذہ میں جے بہاری لال کائستھ تھے، مولانا کے ایک تلمیذ رشید گواہی دیتے ہیں، کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ مولانا کے دوسرے رشید تلامذہ ان کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتے تھے۔[لہ]

[لہ] خطبۂ صدارت ندوہ مدراس ۱۹۱۷ء از مولانائے شروانی۔

(۴)

اب ایک فرنچ مورّخ کی تقریر کا اقتباس ملاحظہ کیجئے، تمدنِ ہند کا مصنف موسیو لیبان اپنی کتاب کے تیسرے باب میں ہندوؤں کے علوم و فنون پر حسبِ ذیل تنقید کرتا ہے:۔

> "ہم نے تمدّنِ عرب میں جتنے باب علوم و فنون پر لکھے ہیں، ان کی توقع اس کتاب میں نہیں ہو سکتی، چونکہ عربوں نے یونان و روم کے قدیم علمی ذخیرے کو خود بہت ترقی دی، اور اس کے بعد اس کو یورپ کے دارالعلوموں تک پہنچایا، اس لئے ہمیں ان کے زمانۂ حکومت کی علمی ترقیوں میں ایک خاص دلچسپی تھی، اور اس وجہ سے ان ترقیوں کا بیان بھی تفصیل سے کیا گیا تھا، ہندوستان کے علوم کی یہ حالت نہیں ہے، برخلاف اس کے ان کے علوم کے متعلق جو قدیم رائے تھی، اس میں بہت کچھ ترمیم ہو گئی ہے۔ اور ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ ان کے

علمی خیالات ان اقوام سے لئے گئے ہیں، جن کے ساتھ ان کو تعلق پیدا ہوا اور خود ہندوؤں نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا، پس کسی خاص زمانہ کے ہندی علوم کی تحقیقات کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم ان اقوام کے علوم کی تحقیق کریں جن کا تعلق اس وقت ہند سے تھا، اور یہ ایک ایسی بحث ہے جو ہماری کتاب کے مقاصد سے خارج ہے، جو کچھ ہم ہندوؤں کی دماغی حالت کے متعلق لکھ چکے ہیں اس سے بہ آسانی سمجھ میں آئیگا کہ انھوں نے کیوں ان علوم میں جو انھیں باہر سے حاصل ہوئے کوئی ترقی نہیں کی، ہندو دماغ جو فلسفہ میں نکتہ رس اور فنون میں تیز فہم ہے، اس خاصیت سے جس کا نام مادۂ تحقیق ہے، اور جس کے اوپر علوم کا دارومدار ہے، بالکل عاری ہے، ہمیشہ سے ہندوؤں میں اس کی کمی رہی ہے، ان میں دوسروں کی تحقیقات کو حاصل کر لینے کا تو پورا مادہ ہے، لیکن اس درجہ سے یہ کبھی آگے نہ بڑھ سکے، وہ قومیں جن سے ہندوؤں نے اپنے علوم اخذ کیئے، یونانی اور عرب معلوم ہوتے ہیں،

یہ نہیں معلوم ہے کہ یونانی علوم ہند میں کیونکر پہنچے لیکن شمال اور غربی ہند کی عمارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تعلقات بیکٹیریا کے ساتھ مدت دراز تک قائم رہے بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اسی ذریعہ سے یونانی علوم ہند میں آئے، "دراہ مہر" جو نہایت قدیم ہندو مہندس ہے، اور جو اُجین میں چھٹی صدی عیسوی میں تھا، اپنی ہیئت کی کتاب میں یونانی اصطلاحیں استعمال کرتا ہے اور یونانیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، عربوں کا علم کس طرح ہند میں آیا، اس کا سمجھنا زیادہ آسان ہے، سنہ مسیحی سے بہت پہلے عربوں کے تجارتی تعلقات ہندوستان سے قائم تھے، اور عرب ہی مشرق و مغرب کے باہم ملنے کا ذریعہ تھے، اس کے بعد جب مسلمانوں نے تمام قدیم دُنیا کو فتح کرلیا، تو یہ تعلقات مثل سابق کے قائم رہے۔ اور ہمیں عربی مورخین سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بغداد کے دربار میں متعدد ہندو علما موجود تھے، اس سے بھی مابعد زمانہ میں جب مسلمانوں نے

ہندوستان پر حکومت حاصل کی، تو علمائے اسلام علوم کو برابر ملک میں پھیلاتے رہے مثلاً گیارھویں صدی عیسوی میں البیرونی نے جس کا زمانہ محمود غزنوی اول فاتح ہندوستان کا ہے، تمام ملک میں سفر کیا، اور علوم عربی کو جو اس وقت بہت وسیع ہو گئے تھے کیونکہ ان میں نہ صرف قدیم دُنیا کے علوم موجود تھے بلکہ خود عربوں کی تحقیقات شامل ہو گئی تھی، ہندوستان میں پھیلایا، گیارھویں صدی عیسوی کے بعد سے کہنا چاہیئے کہ ہندی علوم سے مراد عربی علوم ہیں، بس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندی علوم جن کی ابتدا پانچویں صدی عیسوی میں آریہ بھٹ کی ریاضیات سے ہوئی اور پھر ساتویں صدی میں برہم گپت نے اس پر اضافہ کیا، اس زمانہ سے لے کر آج تک انہیں مسائل سے بحث کرتے ہیں، جو ہند میں ان دو ذریعوں سے آئے، اس وقت ہمارے پاس ہندو علوم کی مشہور تصانیف موجود ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوؤں نے خود ان علوم میں زیادہ ترقی نہیں کی کسی زمانہ میں

خیال کیا جاتا تھا، کہ ہندوؤں کا علم ہیئت بہت کچھ کامل ہے اور قدیم ہے، لیکن اب یہ خیالات قائم نہیں رہے، اور ان پر بحث کرنا بے فائدہ ہوگا، اگر ان تصانیف میں کوئی نیا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، تو محض اشارۃً اور بلا دلیل مثلاً آریہ بھٹ چند سطروں میں زمین کی محوری حرکت روزانہ کا ذکر کرتا ہے لیکن کسی قسم کا ثبوت نہیں دیتا، اسی طرح بارھویں صدی عیسوی میں بھاسکر چاریہ نے اس طریقۂ حساب کی طرف جس کو کیل کیولیشن کہتے ہیں، اشارہ کیا ہے لیکن اس سے آگے نہ بڑھا۔"

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے علوم میں کسی قسم کی جدّت نہیں پیدا کی، جب ان کی ذاتی تحقیقات کچھ نہیں ہے تو پھر ان کے علوم سے بحث کرنا اور محض ایسے مسائل کا ذکر کرنا جو عربوں اور یونانیوں کی تحقیقات سے لے لئے گئے ہیں، محض لاحاصل ہے، اگرچہ ہندو علوم میں کم ہیں لیکن عملی طور پر انہوں نے بہت ترقی کی۔"

عبارت بالا میں عربوں سے مانسیو موصوف کی مراد "مسلمان" ہیں، یہ غلط اصطلاح دوسرے یورپین مصنفوں کی زبان و قلم پر بھی چڑھی ہوئی ہے، ہندوستان کے ساتھ قدیم عرب تعلقات کا جو ذکر مصنف نے کیا ہے اس سے اس کا اشارہ اس زمانہ قبل اسلام کی طرف ہے، جب مشرق و مغرب یا ہندوستان و چین اور روم و یونان کے درمیان عرب تاجر سفیر اور متوسط کی خدمت انجام دیتے تھے، یورپ کا مال وہی ہندوستان و چین لے جاتے تھے، اور وہی ہندوستان کی مصنوعات کو یورپ کے ہاتھوں میں دیتے تھے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ قدیم ہندوستان، قدیم عرب کے تمدن سے کسی نہ کسی قدر متاثر ہوا۔

اس تاثر کے آثار و علامات ہندوستان کے سنگی کتبات اور تحریری اوراق دونوں میں ملتے ہیں، ہندوستان کی پرانی سے پرانی تحریر اس وقت وہ خطوط اور کتبے (انسکرپشن) ہیں، جو مگدھ (بہار) کے موریہ خاندان کے راجہ اسوکا (۲۵۳؁ ق م) کے مذہبی فرامین کی صورت میں ہندوستان کے پورے طول و عرض میں پشاور سے گجرات و دکن تک پہاڑوں پر اور لاٹوں پر کندہ ملتے ہیں، محققین فن خط (کیرکٹر) کا بیان ہے کہ

> "ہندوستان کا یہ قدیم خط سامی خطوط کی شاخ آرامی خط سے ماخوذ ہے لیکن خطوط کی زبان پالی ہے، یعنی قدیم بہار کی زبان جو بودھ کی مذہبی زبان تھی"۔

تمام آرین تحریریں بائیں سے دائیں طرف لکھی اور پڑھی جاتی ہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ یہ کتبے سامی تحریروں کی طرح داہنے سے بائیں طرف لکھے ہوئے ہیں، اور اسی طرح سے پڑھے جاتے ہیں، یہ اس بات کا دوسرا ثبوت ہے کہ ہندوستان کا قدیم سرمایہ تحریری اپنے وجود و بقا میں عربوں کا ممنون کرم ہے[1]۔

ہمارے دعوے کے ثبوت کیلئے اس سے زیادہ عجیب تر اور نادر تر وہ دستاویز ہے جو مہابھارت[2] کی عدالت عالیہ سے ہم کو مل سکی ہے، ستیارتھ پرکاش کے گیارھویں سمولاس میں سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ

> "مہابھارت میں جب کوروں نے لاکھ کا گھر بنا کر پانڈوؤں کو اس کے اندر پھونک دینا چاہا، تو بدر جی نے

---

[1] تاریخ الادب ج ۱ ص ۵ شائع کردہ جامعہ مصریہ (ایجپشین یونیورسٹی) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۲۴ ص ۱۵۹ طبع ۱۱

[2] پہلا ایڈیشن ۱۱ ادھیائے ۱۴۷

یدھشٹر کو عربی زبان میں بتایا، اور یدھشٹر نے اسی عربی زبان میں ان کو جواب دیا۔"

سوامی جی کا بیان اگر صحیح ہے تو ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہم ملیچھوں کی زبان کسی زمانہ میں اس قدر "مقدس" بھی تھی کہ دیوتاؤں کے بڑے بڑے اوتار اس کو بولتے تھے، اور اس میں ایک دوسرے سے راز کی باتیں کہتے تھے۔

بہر حال یہ قصے تو تاریخ کی یاد سے بہت پہلے کے ہیں، خدا جانے اب کی بدگمان دنیا ان کہانیوں کو سچ بھی مانے گی یا نہیں اس لئے ہم کو وہ داستان چھیڑنی چاہیئے جو تاریخ کے ہوش کی باتیں ہیں۔ مسلمانوں کے آفتابِ دولت نے ہندوستان کے افق سے طلوع ہو کر ملک میں جو روشنی پھیلائی ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کے منشوری شیشہ کے ذریعہ سے اس کی تحلیل کر دیں تاکہ ہر صاحبِ بصیرت کو نظر آجائے کہ واقعہ کیا ہے، مسلمانوں نے ہندوستان آکر جن علوم کو پھیلایا، اور جس تعلیم کو رائج کیا، ترتیب وار ہم اس کی تشریح کرنی چاہتے ہیں، اس کی بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ اس عہد کے ہندو مصنفین کا جائزہ لیا جائے، اور دکھایا جائے، کہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ان کی کیا تعداد تھی، کیا حیثیت تھی، کیا نوعیت تھی،

اور کسی پچھلے زمانہ کی تعلیمی حالت کی تشریح کے لئے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں؛

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کے عہد سے پہلے ہندوستان میں مصنفین موجود تھے اور ان کی خاصی تعداد ہے ان کی ابتدا بدھ مت کے زمانۂ عروج سے ہوتی ہے، قدیم ہندوستان میں کہیں کہیں جو مدارس قائم تھے، جن کا ذکر چینی سیاحوں نے کیا ہے، وہ اسی مذہب کے درسگاہ تھے، شنکراچاریہ نے بُدھ اور جین مت کو مٹاکر جب ویدک دھرم کا دوبارہ پرچار کیا اور سنسکرت زبان نے بُدھ مت والوں کی پالی کو ہٹاکر خود اس کی جگہ لینی شروع کی تو، اس جوش و ہیجان نے طبیعتوں کو تصنیف و تالیف کی طرف رجوع کیا، اور سنسکرت زبان جو پہلے صرف دعاؤں، بھجنوں اور منتروں پر مشتمل تھی، وہ علوم و فنون پر بھی حکمران ہوئی، تاہم مذہبی کتابوں سے قطع نظر کرکے، اس کا خالص سرمایہ تحریری اتنا بھی نہیں جو چند الماریوں کی زینت بن سکے، ہر علم پر میتھالوجی اور افسانوں میں ملی جلی دو دو تین تین کتابیں تھیں، اس دعوے کی دلیل سنسکرت داں علمائے اسلام[1] اور مستشرقین یورپ[2] کے بیانات

---

[1] بیرونی کی کتاب الہند اور ابوالفضل کی آئین اکبری کا دفتر سوم

[2] مثلاً تمدن ہند انسائیکلوپیڈیا لفظ انڈیا

ہیں، اور سنسکرت کی زمین کی موجودہ پیمائش علمی ہے[لہ]؛

مسلمانوں نے ان کو بتایا کہ افسانہ اور کہانی سے الگ کرکے علوم و فنون پر خالص علمی کتابیں بھی لکھی جا سکتی ہیں اکثر قدیم تصنیفات صرف برہمنوں کی ملکیت تھیں وسعتِ تعلیم نے برہمنوں سے نکل کر ہندوستان کے دوسرے طبقوں کو بھی یہ علمی آزادی بخشی۔ اوّلاً جیسا کہ ہر نئی چیز کا قاعدہ ہے مسلمانوں کی زبان سیکھنا اور جینیوں کے مندر میں جانا، مست ہاتھی کے ساتھ لڑنے سے زیادہ خطرناک تھا تاہم جیسا کہ پہلے نمبر میں ہم نے یہ تفصیل بیان کی ہے، کہ رفتہ رفتہ یہ تعصب ہندوؤں سے دور ہوا، اور سیکڑوں برس کے بعد سکندر لودی کے زمانہ سے فارسی تعلیم نے ان میں عام اشاعت پائی،

اسلامی علوم میں سب سے پہلے تاریخ کا ذکر کرتے ہیں:

تاریخ

تاریخ وہ فن ہے جس کی طرف قدیم ہندو دماغ نے کبھی توجہ ہی

[لہ] دکن کالج پونہ میں سنسکرت کی مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے، مذہبی کتابوں اور دیگر نسخوں کو ملا کر ۸۸۸ کتابیں ہیں۔

نہیں کی، لیبان تو کہتا ہے کہ

"اُس کے لئے ہندوؤں کا دماغ ناموزوں معلوم ہوتا ہے[1] آریہ ورت انسانیت کا نہایت قدیم گہوارہ ہے، اگر یہاں انسانوں کے پچھلے تاریخی کارناموں کو محفوظ رکھنے کی لیاقت ہوتی، تو بہت سے قدیم عقیدے آج ہمارے لئے پیچیدہ نہ ہوتے، ہندوستان کی پرانی داستان سُننے کے لئے ہم کو یونان اور چین کے سیاحوں کے پاس جانا پڑتا ہے، خود ہمارے گھر میں اپنی دُنیا کی پچھلی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، ویدوں کے کہنہ اوراق منوشاستر کے قانونی دفعات، مہابھارت کے رنگین صفحات، رامائن کی پُردرد کہانیاں اور اپنشد کی پیاری پیاری باتیں، ان میں سے کوئی چیز قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ہم کو پتہ نہیں دیتی۔"

آغاز عالم سے زمانۂ اسلام تک ہندوستان میں جو سیاسی انقلابات ہوئے ملک کے صوبہ صوبہ پر جو حکمران فرمان روائی

---

[1] تمدن ہند ص ۳۳۹ -

کر رہے تھے، جو بڑے بڑے عالم فاضل، اور پنڈت پیدا ہوئے ان کے تاریخی حالات کا آج پتہ لگانا چاہو صحیح تاریخ ولادت، وفات، اور سوانح حیات جاننا چاہو تو قیاس کے سوا کوئی روشنی تمہاری رہنمائی نہ کر سکے گی، پرانوں سے صرف رشیوں اور منیوں کے کچھ کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، لیکن وہ تاریخ نہیں۔"

مگر اسی غیر تاریخی ملک میں جب مسلمانوں کا قدم آتا ہے تو یہاں کا آسمان و زمین بدل جاتی ہے، آریہ ورت کا ذرّہ ذرّہ چمک اٹھتا ہے، مسلمان سلاطین، امراء۔ علماء شعرا، اور دوسرے اکابرین رجال کو چھوڑ کر مسلمان مورّخوں اور تذکرہ نویسوں نے خود ہندو راجاؤں پنڈتوں، شاعروں اور امیروں کے حالات اس قدر لکھے ہیں کہ بہ آسانی دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہزاروں دَور جو ہندو قوم پر گزرے اس زمانہ کے تمام (میتھالوجیکل) ہندو علماء اور امراء کی فہرست جتنی طویل بنائی جا سکتی ہے، مسلمانوں کی آمد کے بعد آخری ۵۰۰ برس کے عرصہ میں اس سے دوچند بلکہ سہ چند بڑی فہرست مع احوال تاریخی پیش کی جا سکتی ہے، صرف تیموریوں کے زمانہ میں جو ہندو امرا اور علماء گزرے ہیں۔ ان کے حالات و بیانات دو تین جلدوں میں سما سکتے ہیں، ہندو فارسی شعرا کے نام و سوانح

بااین ہمہ قومی بیگانگی ہمارے فارسی تذکرے جو خاص مسلمانوں کے قلم سے نکلے ہیں، اس قدر سنا سکتے ہیں، کہ آپ سُنتے سُنتے گھبرا اُٹھینگے،

آج یورپ کے دعوئے آزادی و مساوات کے شور و ہنگامے نے دُنیا کو چھالیا ہے، ممالک مفتوحہ میں اشاعتِ تعلیم کی یہ کثرت، انکا بیان ہے کہ صرف ہمارے دورِ حکومت کی خصوصیت ہے، ہم کہتے ہیں سچا ہے، اور درست ہے جاؤ اور انگریز قلم کے تصنیفی فہرست کا ایک ایک ورق پڑھ ڈالو، ان کی انسائیکلو پیڈیائیں اُلٹ ڈالو، ان کی تاریخ اور تذکروں کو چھان ڈالو، اس تفحص، اس تلاش، اور اس محنت کے بعد ہم کو بتاؤ کہ مغرور انگریز قلم کے آب حیات نے تمہارے کتنے علماء، فضلاء اور شعرا کے نام زندہ کئے ہیں، اور کتنے اس قابل سمجھے گئے ہیں کہ حکمران قوم اپنی شاہی زبان اور اس پریس کے عہد میں اُن کے تذکرے لکھے پھر کیا ظالم بت شکن، اور ملیچھ مسلمانوں کی یہ علمی آزادی و مساوات نہ سمجھی جائے گی کہ انھوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں قوموں کے فضلاء کو ایک نظر سے دیکھا، اور اس حکمران قوم نے اپنی شاہی زبان کے علمی درباروں میں دونوں کو پہلو بہ پہلو جگہ دی،

علاوہ ازیں مسلمانوں کے تاریخی ذوق نے ہندوؤں میں اہل فن

کی تعلیم و ترقی کا وہ جوش پیدا کیا، کہ آج بھی یورپ اور ہندوستان کے کتب خانوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک بڑا گراں قیمت سرمایہ فراہم ہو سکتا ہے، ہمارے سامنے تو اس وقت یورپ اور ہندوستان کے مادی کتب خانے نہیں، صرف حیدر آباد، بانکی پور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور لندن کے کتب خانوں کی فہرستوں کے معلومات ہیں، تاہم انھوں نے ہندو زبان کے فارسی مصنفین کے (جو عہد اسلامی کی علمی و تعلیمی کوششوں کے نتائج عمل ہیں) حالات بہم پہونچائے ہیں، وہ کس قدر حیرت افزا ہیں۔ سب سے پہلے ہم کو اس عہد کے ہندو مورخین کا تذکرہ کرنا ہے؛

راج ترنگنی

پیش نظر مواد جہاں تک ہماری اعانت کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سب سے پہلی تاریخ جو کسی ہندی قلم نے لکھی وہ کشمیر کی تاریخ راج ترنگنی ہے، یہ کتاب ہندی میں سلطان زین العابدین والیِ کشمیر کے زمانہ میں لکھی گئی تھی[1] (سلطان ۸۲۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا) مصنف کا نام کلہانا ہے، اکبر جب کشمیر گیا ہے، تو یہ کتاب اس کے دربار میں پیش

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۴۴

کی گئی، اور اس کے حکم سے اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ

"اُس میں کشمیر کے متعلق پانچ ہزار برس کا حال لکھا ہے، والیانِ کشمیر کے درباروں میں تاریخ نویسی کا خاص عہدہ تھا، اور یہ کتاب اسی کوشش کا ثمرہ نورتن[1] تھی"۔

اصل متن کتاب فرانس اور ہندوستان میں چھپ[2] گئی ہے اور فارسی نسخہ بھی مطبوع ہے۔

لالہ جی داس

بابا لال گرو شاہجہاں کے زمانہ میں ایک عارف جوگی تھے، شہزادۂ دارا شکوہ انہی کا مرید تھا، لال جی داس، بابا لال گرو کا چیلا تھا، بابا کا سنہ پیدائش سنہ ۱۰۱۳ھ ہے، سنہ ۱۰۵۹ھ تک وہ زندہ تھے، لال جی داس نے سنہ ۱۰۵۸ھ میں گرو کے حالات و ملفوظات کو فارسی میں جمع کیا، گورنمنٹ کلکیشن لائبریری میں اس کا ایک نسخہ سنہ ۱۳ جلوس شاہی کا لکھا ہوا موجود ہے؛

بنوالی داس ولی

شہزادہ دارا شکوہ کا میر منشی تھا، بعضوں نے اس کا نام بھوانی داس لکھا ہے، کتب خانہ

---

[1] آئین اکبری نولکشور ج ۲ ص ۱۸۱

[2] دکن کالج لائبریری کیٹلاگ ص ۱۹۹

آصفیہ کے فہرست نویس نے ولی رام گوسائیں داراشکوہی نام بتایا ہے، بنوالی اور بھوانی تو کتابت کی تصحیف ہے، ولیؔ اس کا تخلص نام میں داخل ہوگیا ہے، اس نے شاہان دہلی کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا نام راجہ دلی ہے، کتاب مستند ہے، اور بہت سی معتبر کتابوں میں اس کے حوالے ہیں، اس کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں؛

رائے بندرابن

رائے بہارا مل کا بیٹا تھا، بہارا مل نے ۲۰ سنہ جلوس شاہجہانی میں حسن خدمات کے صلہ میں رائے کا خطاب پایا تھا۔ داراشکوہ نے اس کو اپنا دیوان مقرر کیا تھا۔ اس کے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت کیا اور رائے کا خطاب بخشا، ۴۳ سنہ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۵ھ میں اس نے لب التواریخ نام کتاب لکھی، اس میں ہندوستان کی تاریخ آریوں کے زمانہ قدیم سے لے کر عہد عالمگیری تک ترتیب دی ہے، عربی آمیز فارسی عبارت اس خوبی سے لکھی ہے کہ ایرانی قلم کا اس پر دھوکا ہوتا ہے، مقدمہ میں اپنے ماخذ گنائے ہیں، واقعات کا نہایت استقصا کیا ہے، اس کتاب کا ایک نادر نسخہ ۱۲۳۶ھ کا لکھا ہوا دیسنہ (بہار) کی الاصلاح لائبریری میں موجود ہے۔

ایسر داس

قوم ناگر، پٹن کا باشندہ تھا، وہ خود کہتا ہے کہ بچپن سے ۳۰ سال کی عمر تک وہ قاضی شیخ الاسلام بن عبد الوہاب المتوفی ۱۰۹۶ھ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل علم کرتا رہا ہے، امراء و اعیان دولت جو قاضی صاحب کی خدمت میں آیا کرتے تھے، ان کے مباحثات اور گفتگوؤں کو بغور سنتا تھا، اور ان سے فوائد حاصل کرتا تھا، تکمیل علم کے بعد ایسر داس شجاعت خاں حاکم گجرات کی وساطت سے جودھپور کا امین مقرر ہوا۔ وہ ہاتھ جو ۳۰ برس تک صرف قلم سے مانوس رہا تھا، تلوار کے قبضہ پر بھی مضبوط تھا، اس نے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی، بادشاہ کی طرف سے میرٹھ میں اس کو جاگیر عنایت ہوئی، اور وہ بیست و نیم صدی افسر مقرر ہوا، عہد عالمگیر کے امن و امان میں ہمارا فوجی افسر پھر وہی ۳۰ سال کا نوجوان طالب علم نظر آتا ہے، اور فتوحات عالمگیری نام ایک بڑی تصنیف اپنی یادگار چھوڑتا ہے۔

بھیم سین کائستھ

رگھو نندن داس اس کے باپ کا نام تھا، ۲۳ جلوس شاہجہانی (۱۰۵۹ھ) برہان پور دکن میں پیدا ہوا تھا، اس کا ایک عزیز بھگوند اس عالمگیر کے دربار میں دیوان تھا، اور دیانت رائے کے خطاب سے ممتاز تھا۔ بھیم سین

نے سندیلہ کے حاکم راؤ دلپت کی سرکار میں نوکری کی، راؤ دلپت دکن کی لڑائیوں میں نہایت کارآمد سردار ثابت ہوا تھا، عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ تین ہزار فوج کا افسر بنا دیا،

بھیم سین گو کائستھ تھا، لیکن قلعہ نالدرک کی قلعداری اس نے نہایت خوبی سے کی ۱۱۲۰ھ میں نوکری سے مستعفی ہو کر اپنے وطن میں گوشہ نشین ہو گیا، اور اب موقع آیا کہ تلوار کے بجائے قلم کا حق ادا کرے، دلکشا کے نام سے عہد عالمگیری کی تاریخ لکھی جو اب تک موجود ہے

نرائن کول عاجز باشندۂ کشمیر اپنی تصنیف کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ ایک مدت سے شرفائے کشمیر کا تقاضا تھا کہ ان کے وطن کی ایک تاریخ لکھدوں، بالآخر بزرگانِ وطن کے اصرار سے مجبور ہو کر میں نے یہ بار امانت اٹھا لیا، اسی زمانہ میں عارف خاں کشمیر کے دیوان اور نائب صوبہ دار کے حکم سے ملک حیدر نے سنسکرت سے کچھ مواد فراہم کیا تھا، وہ میرے حوالہ کیا گیا، میں نے اس کو دیکھا تو قابل اصلاح نظر آیا، بالآخر اصل سنسکرت سے مقابلہ کر کے اس کو بھی اپنی کتاب میں شامل کر لیا، ۱۱۲۲ھ میں تاریخ کشمیر تکمیل کو پہونچی!

منشی ہیرامن گردھر داس معتمد خاں کے منشی تھے معتمد خانی

مائیوں کی لڑائی میں عالمگیر کا ساتھ دیا تھا، امن و امان کے بعد ۱۰۷ھ میں وہ گوالیار کا حاکم مقرر ہوا، منشی ہیرامن نے اس تقریب سے اسی زمانہ میں گوالیارنامہ کتاب لکھی جس میں راجہ بکرماجیت کے ۳۲۲ برس بعد سے لے کر معتمد خاں کی حکومت کے زمانہ تک الیار کی تاریخ مرتب کی۔

سونت رائے ولد بھگونت رائے ولد سندرداس منشی لاہوری فارسی زبان کا فاضل، اور شاعر تھا، پہلے دل خاں کے یہاں نوکر تھا، ۱۱۱۸ھ میں کرناٹک گیا، اور نواب عادت اللہ خاں کے دربار میں رسائی پیدا کی، اور ایک مدحیہ صیدہ پیش کیا، نواب نے قدردانی کی اور جسونت رائے نے ہیں سکونت اختیار کرلی، اور سعیدنامہ کے نام سے نواب سعادت اللہ ان اور ان کے خاندان کی تاریخ لکھی،

نشی ٹھاکر لال ولد بھوج داس کائستھ ماتھر ضلع برہان پور کا رہنے والا تھا، ۱۱۳۹ھ میں اس نے یک کتاب لکھی جس کا نام "دستور العمل شاہنشاہی" رکھا، اس میں س نے ہندوستان اور دکن کے واقعات بطور فہرست ترتیب یئے ہیں۔

منشی سوجان رائے یہ شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ میں تھا، خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک نہایت ضخیم اور مفصل تاریخ ابتدائے عالم سے لے کر شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد تک لکھی، اور اس کوشش اور محنت سے لکھی کہ وہ مستن کتابوں کی فہرست میں داخل ہے، منشی موصوف اپنے کو پٹیالہ رہنے والا بتاتا ہے، اس کتاب کا قلمی نسخہ حیدر آباد اور لندن ک کتب خانہ مشرقی میں موجود ہے۔ سنہ ۱۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

جگجیون داس ولد منوہر داس، باشندۂ گجرات محمد معظم شا کی سرکار میں ڈاک کا مہتمم تھا، چونکہ خفیہ سرکار کا غذات اس کی نظر سے گزرتے تھے، اس لئے اس کو واقعات ک جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا، سنہ ۱۱۱۹ھ میں بہادر شاہ اول نے لاہو کے دربار میں باریابی بخشی اور وقائع نگاری کی خدمت پر اس ک مامور کیا، سنہ ۱۱۲۰ھ میں اس نے اپنی محنتوں کا ثمرہ منتخب التوار کے نام سے لکھ کر پیش کیا۔ اس کے صلہ میں دربار شاہی سے خطاب وخلعت وانعام حاصل ہوا۔

کامراج ولد نین سنگھ، پھپھوند ضلع اٹاوہ اس کا وطن تھ شہزادہ محمد اعظم کی سرکار میں مالوہ میں اس کو حاضر

کا موقع ملا، اعظم الحرب کے نام سے اس نے شہزادہ کی لڑائیوں کے حالات لکھے، کامراج دیباچہ میں لکھتا ہے، کہ بہت سے واقعات خود شاہی وقائع نگار نے اس کے لئے بہم پہنچائے، مصنف نہایت اخلاص اور عقیدت مندی کے ساتھ اپنے کو تیموری دربار کا تین پشت سے نمک خوار بتاتا ہے؛

کشن چند اخلاص

شاہجہان آبادی شاگرد مرزا عبد الغنی قبول کشمیری اس کا باپ اچل داس فارسی کا شاعر تھا، کشن چند نے ہمیشہ بہار کے نام سے ۱۱۳۶ھ میں تذکرہ شعراء لکھا، اس میں اکبر سے لے کر محمد شاہ کے عہد تک کے فارسی شعرا کے حالات وسوانح ہیں، تذکرہ اس قدر مستند ہے، کہ علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ کی تالیف میں اس کو اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں، اور علانیہ اس سے استفادہ کا اعتراف کرتے ہیں، اس کتاب کے نسخے بانکی پور اور حیدر آباد کے کتب خانوں میں ہیں؛

لال رام

باپ کا نام دولہ رام اور دادا کا نام رائے کنجمن، رائے کنجمن عالمگیر کے عہدِ حکومت میں کسی عہدہ پر ممتاز اور رائے کے خطاب سے مشرف تھا، دولہ رام بھی رائے کے

خطاب سے مخاطب اور عہدہ داران شاہی میں داخل تھا، خود لال رام محمد شاہ کی سرکار میں نوکر تھا، ۱۱۴۸ھ میں تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھ کر دربار شاہی میں تحفتاً پیش کی۔

خوشحال چند کسی زمانہ میں شاہ عالمگیر کے شاہی دربار کا دیوان تھا، ۱۱۶۴ھ اس کی تاریخ وفات ہے، اس کی وفات کے بعد اس کی جگہ اس کے بیٹے کو ملی، تاریخ نادر الزمانی خوشحال چند کی بہترین تصنیف ہے؛

ہیرا لال خوش دل یہ غالباً دکن کا باشندہ ہوگا، قطب شاہیہ دکن کی اس نے منظوم تاریخ لکھی ہے، زمانہ وجود معلوم نہیں، دسویں صدی ہجری کے آخر میں یا گیارھویں صدی کے اوّل میں اس کو ہونا چاہیئے، قطب شاہیہ کا زمانۂ حکومت یہی ہے، یہ کتاب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں ہے؛

مہاراجہ کلیان سنگھ کلیان سنگھ کا دادا رائے ہمت سنگھ دہلی کا ایک کائستھ امیر الامرا صمصام الدولہ کی سرکار میں دیوان تھا، اس کے بیٹے شتاب رائے نے بڑا عروج حاصل کیا، دربار شاہی سے ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر

منصور جنگ کے نام سے مخاطب تھا، اور سلطنت کی طرف سے صوبۂ بہار کا ناظم (گورنر) مقرر ہوا تھا، خود بھی فاضل تھا اور فضلائے وقت کا قدردان بھی تھا، ۱۱۸۶ھ میں اس نے وفات پائی، تو اس کا بیٹا انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ کے نام سے صوبہ کی نظامت (گورنری) پر مامور ہوا، یہ بھی اپنے باپ کی طرح علم دوست تھا، خلاصۃ التواریخ اس کی تصنیف ہے، جس میں امیر تیمور سے لے کر اپنے زمانہ تک کے حالات اس نے لکھے ہیں، اس کی دوسری تصنیف واردات قاسمی ہے، جو نظامت بنگالہ کی تاریخ ہے۔

شیوداس لکھنوی شیوداس نے شاہنامۂ منور کلام کے نام سے فرخ سیر (۱۱۲۴ھ) اور محمد شاہ (۱۱۳۱ھ) کے زمانہ تک کے حالات لکھے ہیں، دربار شاہی میں بہت دنوں تک یہ منشی (سکریٹری) کے عہدہ پر ممتاز رہا ہے۔

روپ نرائن ولد ہری رام کھتری، متوطن سیالکوٹ، اس نے ۱۱۲۹ھ میں ہندوؤں کے مقدس مقامات کے حالات و کیفیات لکھے، کتاب کا اصلی نام برج مہاتم اور تاریخی نام مخزن العرفان ہے۔

رائے چتر من قوم کائستھ سکسینہ، اس نے وزیر الممالک غازی الدین خاں کی فرمائش سے ہندوستان کی تاریخ لکھی اور اس کا نام چار گلشن رکھا۔ یہ کتاب چار گلشنوں پر منقسم ہے، گلشنِ اوّل بادشاہانِ ہند کے حال میں، گلشنِ دوم صوبوں کے حال میں، گلشنِ سوم دہلی سے چاروں طرف بڑے بڑے شہروں تک جو سڑکیں گئی ہیں، ان کی پیمائش اور ایک ایک منزل کا حال، (یہ باب اس کتاب کا سب سے اہم حصّہ ہے) گلشنِ چہارم میں ہندو فقیروں، اور جوگیوں کے حالات اور سلسلے ۱۱۷۳ھ میں یہ کتاب اتمام کو پہنچی،

درگا داس باپ کا نام شیو شنکر داس، سفینۂ عشرت ایک فارسی تذکرہ کا مصنف ہے، ۱۱۷۵ھ میں یہ تذکرہ تالیف پایا، عجب نہیں کہ یہ حزیںؔ کا شاگرد ہو،

انند روپ ضلع نارنول (مدراس) کا ایک برہمن تھا۔ کھالوجی بھونسلا کے دربار میں کچھ دنوں نوکر رہا تھا، نصیر الملک نصیر جنگ کے معاملہ میں ناگپور سے الٰہ آباد آیا، یہاں اس نے ۱۱۸۲ھ میں میزان دانش لکھی جو "جگ" کے اعتبار سے چار حصّوں میں منقسم ہے،

منا لال ولد بہادر سنگھ اس نے شاہ عالم کے دورِ حکومت

کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا آغاز ۱۱۸۴ھ سے ہوتا ہے جب شاہ عالم نے الہ آباد سے دلی کا رخ کیا ہے۔

رائے کیول رام

ولد رگھناتھ داس اگروال، اطرافِ دلّی میں قصبۂ کسنا اس کا وطن تھا، ۱۱۸۴ھ میں اس نے تذکرۃ الامراء نام کی ایک کتاب لکھی، دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ یہ کتاب شاہی روزنامچوں اور وقائع ناموں سے مرتب کی گئی ہے۔

دلپت رائے

مخاطب بہ راؤ دلپت سنگھ، اس کا مولد احمد آباد گجرات ہے اس کا باپ گلاب رائے یہاں متصدی تھا، دلپت رائے عربی فارسی، سنسکرت پراکرت اور اور بھاکا زبانوں میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، ۵۷ برس کی عمر میں جے پور آیا اور مہاراجہ مادھو سنگھ کے حکم سے ملاحت مقال لکھنی شروع کی، اور ۱۱۸۱ھ میں مہاراجہ کے مرنے کے بعد اس کو تمام کیا۔

(۵)

اوپر کی سطروں میں ان ۲۷ ہندو فضلا کے نام گنائے گئے ہیں، جو تاریخ کے فن میں ممتاز ہوئے ہیں باوجود اس کے کہ تمام معلومات سامنے نہ تھے، یہ داستان اتنی پھیلی کہ آگے کی سطروں میں پوری کی جارہی ہے۔

بندرابن خوش گو قوم ویش، باشندۂ متھرا، اپنے زمانہ کے مشہور اساتذۂ فن کا شرف تلمذ حاصل تھا، سراج الدین علی خاں آرزو، مرزا عبد القادر بیدل، محمد افضل سرخوش اور شیخ سعد اللہ گلشن کی صحبتیں اٹھائی تھیں، نظم و نثر دونوں میں کمال حاصل تھا، سفینۂ خوش گو، تذکرۃ المعاصرین، دو تذکرے لکھ کر نواب عمدۃ الملک امیر خاں کی سرکار میں پیش کیے، نواب نے قدر دانی کی اور دو روپیہ روزانہ وظیفہ مقرر کیا، نواب کی وفات کے بعد ترک دنیا کر کے عظیم آباد پٹنہ میں اقامت اختیار کی سنہ ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی، کتب خانہ بانکی پور میں اس تذکرہ کا جو نسخہ ہے وہ علامۂ آزاد بلگرامی کا مملوکہ ہے اور انہی کی فرمائش سے ۱۱۸۳ھ میں نقل کیا گیا ہے، گل رعنا کے مولف نے اس تذکرہ

سے فائدہ اٹھایا ہے،

پنڈت کرشنانند پنڈت انند گمن کا بیٹا تھا، اس نے تاریخ شاہان ہند کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کا متعین زمانہ نہیں معلوم، لیکن سنہ ۱۸۰۳ء یعنی تقریباً ۱۲۱۸ھ میں موجود تھا۔

بدھ سنگھ قوم کھتری اس نے سکھ فرقہ کی تاریخ سنہ ۱۷۷۸ء سے اپنے زمانہ تک لکھی ہے، اس کو اس کتاب کی تالیف میں لالہ عجائب سنگھ سے بہت مدد ملی، کتاب کا نام رسالہ نانک شاہ ہے، سنہ تالیف معلوم نہیں۔

رگھوناتھ غالباً مرہٹہ ہے، اس نے سنہ ۱۷۷۳ء میں حالات مرہٹہ کے نام سے ان کی تاریخ لکھی،

شیلو پرشاد نواب فیض اللہ خاں روہیلہ کی سرکار میں نوکر تھا، سنہ ۱۱۹۰ھ میں اس نے تار[illegible] بخش لکھی، جو روہیلہ پٹھانوں کی تاریخ ہے،

مکند رائے اس نے راجہ ہولکر کے سیاسی خطوط کا فارسی میں ترجمہ کیا، ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، خطا ہولکر نام ہے، سنہ ۱۱۹۰ھ سنہ تالیف ہے،

موہن لال انیس ولد رائے تولارام قانون گو، قوم کائستھ، باشندہ لکھنؤ، فارسی شاعری میں مرزا فاخر مکین کا شاگرد تھا، انیس الاخبار کے نام سے سنہ ۱۱۹۳ھ میں اس نے مرزا مکین اور ان کے تلامذہ کا ایک دلچسپ تذکرہ لکھا، اس تذکرہ میں مرزا مکین کے کچھ ہندو شاگردوں کے بھی حالات ہیں،

ہرنام سنگھ ولد گوردداس سنگھ ملانوہ نواحِ لکھنؤ کا باشندہ، سرسوتی برہمن تھا، بچپن سے عین الدین خاں حاکم بریلی کے زیر سایہ رہا، تاریخِ سعادت جاوید اس کی بہترین یادگار ہے، عین الدین خاں کا زمانۂ حکومت بریلی سنہ ۱۱۹۵ھ سے سنہ ۱۱۹۹ھ تک ہے؛

رنچھورجی ولد امرجی دیوان، رنچھورجی نے سنہ ۱۸۲۳ء مطابق سنہ ۱۱۹۹ھ میں تاریخ سورت لکھی، اس میں جوناگڑھ اور ناگر قوم کے حالات درج کئے ہیں،

لچھمی نرائن شفیق لاہور وطن تھا، اس کا دادا عالمگیر کے ساتھ مہم دکن میں گیا، اور اورنگ آباد دکن میں سکونت اختیار کرلی، اس کا باپ رائے منسارام نواب آصف جاہ کا دیوان تھا، لچھمی نرائن شفیق اُن ہندو فضلا میں سے ہے جن کی

قابلیت اور علم پر زمانہ فخر کرسکتا ہے، علامہ آزاد بلگرامی کا شاگرد اور عالی جاہ بہادر کے سلک ملازمین میں داخل تھا، تاریخ کا ذوق اُستاد آزاد سے وراثت میں پایا تھا، چنانچہ اس فن میں اس کی متعدد تالیفات ہیں۔ گلِ رعنا اور شامِ غریباں دو شعرا کے تذکرے ہیں، سنہ ۱۲۰۱ھ میں حقیقتہائے ہندوستان لکھی، خلاصۃ الہند بھی اسی کی تصنیف ہے، تواریخ آصفی اس کی پانچویں تالیف ہے، لیکن سب سے بہتر اور عمدہ تر تصنیف بساط الغنائم ہے جس میں اس نے مرہٹوں کی تاریخ قلم بند کی ہے؛

ہرسُکھ رائے جیون داس کا بیٹا اور بسنت رائے کا پوتا، قوم کھتری، وطن لاہور، اس نے اپنے ماموں سری نارائن کے مشورہ سے سنہ ۱۲۱۴ھ میں مجمع الاخبار لکھنی شروع کی، اور سنہ ۱۲۲۰ھ میں اس کو اختتام کو پہونچایا اس سے چند سال پیشتر سنہ ۱۲۱۱ھ میں زبدۃ القوانین نام ایک نہایت کارآمد اور پُر معلومات کتاب لکھ چکا تھا، اس کا ذکر آگے آئے گا؛

منشی منالال ولد منشی بہادر سنگھ دفتر خالصہ شاہی کے منشی تھے، شاہ عالم کے روزنامچہ کے لکھنے پر مامور تھے، یہ روزنامچہ شاہی کتب خانہ بانکی پور میں موجود ہے، اس سے

منشی موصوف کی لیاقت تحریر اور قوت مشاہدہ ثابت ہوتی ہے، روزنامچہ کا آخری ورق شاہ عالم کے صحیفۂ حیات کے اختتام پر (۱۲۲۱ھ) تمام ہوتا ہے،

رائے امر سنگھ خوشدل

ولد جیون رام کائستھ اصلی وطن کڑہ مانک پور تھا، نواب شجاع الدولہ کے عہد میں سرکار غازی پور کا ناظم (حاکم اعلیٰ) تھا، امر سنگھ نہایت لائق اور فاضل تھا، تعلیم سے فارغ ہوکر مہاراجہ اجیت سنگھ راجہ بنارس کی سرکار میں نوکر ہوا، اور آخر سرکار کمپنی کی طرف سے علی گڈھ کا ناظم مقرر ہوا، اس نے تاریخ فرماں روایان ہنود لکھی ہے، جو آغاز سے لے کر سلطان علاء الدین غوری کے زمانہ پر ختم ہوئی ہے، اس کی دوسری تاریخی تصنیف بزم خیال ہے جس میں خاص مشاہدات اور احوال موجودہ کی بنا پر اپنے ملک کے حالات لکھے ہیں، اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ۱۲۱۰ھ تک ساتھ ساتھ انگریزوں کے حالات بھی لکھتا گیا ہے، ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی،

دولت رائے

منشی دولت رائے کائستھ، بہاول خان المتوفی ۱۲۲۴ھ بانی ریاست بہاول پور کے مصاحب خاص تھے، بہاول پور کا خاندان عباسی ہے، اس مناسبت سے

مراۃ دولت عباسیہ کے نام سے بھاول پور کی تاریخ لکھی سنہ ۱۸۵۰ء میں یہ کتاب چھاپی گئی تھی،

رائے بھگوانداس کائستھ متخلص بہ ہندی ولد دلپت داس ساکن کالپی، تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی، مولوی سید محمد یوسف سہارن پوری سے تحصیل علم کی، نواب آصف الدولہ کی سرکار میں معزز عہدے پر ممتاز ہوئے، پھر معتمد الدولہ مہاراجہ ٹکیت رائے نائب دیوان شاہ اودھ کے مصاحبوں میں داخل ہو گئے، دو تذکرے ان کی علمی زندگی کی یادگار ہیں، حدیقۂ ہندی اور سفینۂ ہندی، حدیقہ میں گزشتہ شعراء اور سفینہ میں معاصرین کے حالات ہیں، اس کی تالیف کا زمانہ سنہ ۱۲۱۹ھ ہے۔

موہن سنگھ موہن رائے بلگرامی کی سرکار میں ملازم تھا، عربی و فارسی علوم میں بہرہ وافر رکھتا تھا، آقا کی فرمائش سے وقائع ہلکر کے نام سے ملہر راؤ ہلکر ریاست اندور کے حالات لکھے سنہ ۱۲۲۳ھ میں یہ کتاب ختم ہوئی۔

منشی چھترمل ولد رائے پران چند، اس کی سب سے نادر تصنیف تو دیوان پسند ہے، جس میں لبابات ہند پر اس نے بحث کی ہے، لیکن اس کی تاریخی تصنیف عمارات الاکبر

ہے، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر آباد کی عمارتوں کا حال ہوگا، اس کی پہلی تصنیف سنہ ۱۲۲۵ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس سے زمانہ معلوم ہوسکتا ہے"۔

بساون لال شاداں

بلگرام کا باشندہ، امیر الدولہ محمد امیر خاں کے دربار میں نائب میر منشی تھا، اور اسی کے حکم سے سنہ ۱۲۴۰ھ میں امیر نامہ لکھی۔ یہ حقیقت امیر خاں کی سوانح عمری ہے،

سندر لال کول

ولد نوبت رائے متھرا کا باشندہ، دفتر خالصہ میں میر منشی تھا، سنہ ۱۲۴۱ھ میں اس نے "گل بے خزاں" لکھی، جو چار ابواب پر منقسم ہے، تین پہلے ابواب میں دہلی، متھرا، اور بندرابن کے حالات ہیں، اور چوتھے میں افسانہ ہے"

منشی سدا سکھ لال

متخلص بہ نیاز نجف خاں کے زمانہ میں بہ آگرہ کے سررشتہ دار تھے، سنہ ۱۲۳۴ھ میں ۶۵ برس کی عمر میں دلی چھوڑ کر الہ آباد آگئے تھے، مرزا قتیل، میر تقی، وخواجہ میر درد وغیرہ کے معاصرین میں تھے، الہ آباد میں منتخب التواریخ نام ایک کتاب لکھی، سر ہنری ایلیٹ اپنی تاریخ میں اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

بہادر سنگھ

ہزاری مل کا بیٹا اور بچھمی چند کا پوتا تھا، اصل وطن گو شاہجہان آباد تھا۔ لیکن الہ آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی، یہاں عربی و فارسی اور ہندی کی تاریخی کتابوں سے مواد فراہم کرکے یادگار بہادری کے نام سے تمام دُنیا کی تاریخ لکھی، اس کا سال اختتام ۱۲۳۹ھ ہے؛

رتن سنگھ

منشی الملک فخر الدولہ دبیر الملک راجہ رتن سنگھ زخمی جائے پیدائش لکھنؤ، قوم کائستھ اس کا خاندان تین پشت سے دربار اودھ میں معزز عہدوں پر ممتاز تھا، رتن سنگھ بہت بڑا فاضل اور علامۂ وقت تھا، اس کے علمی کمالات فلسفہ کے زیر عنوان ظاہر ہوں گے، اس کا دادا راجہ بھگوانداس آصف الدولہ کا ایامِ شاہزادگی میں اتالیق تھا، اور عہد حکومت میں دیوان تھا، رتن سنگھ نے منجملہ اور تصنیفات کے سلطان التواریخ نام کتاب شاہانِ اودھ کی تاریخ میں لکھی، ۱۲۵۹ھ میں ساٹھ برس کی عمر میں یہ کتاب اس نے ختم کی؛

رام ستیا سنگھ

متخلص بہ فکرت، اس نے منشی سیتل سنگھ بیخود کے حالات میں حقیقتہائے بیخود کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو ۱۸۳۸ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔

پنڈت بشن نرائن مولف نظارۃ السند، فن تاریخ میں ہے، زمانہ نہیں معلوم، لیکن ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کا جو نسخہ ہے، وہ ۱۸۵۹ء کا لکھا ہوا ہے،

لالہ سیتل چند آگرہ میں رہتے تھے، غدر سے بہت پہلے مدرسہ آگرہ میں مدرس تھے، انھوں نے تعریف العمارات کے نام سے نہایت محنت وکاوش اور تحقیق سے اکبر آباد آگرہ کی ایک ایک عمارت کا حال لکھا، اور اس کے نقشے شامل کئے یہ کتاب نہایت مفید اور پراز معلومات ہے، لالہ صاحب غدر سے بہت پہلے مدرسہ آگرہ میں مدرس تھے،

منشی مہتاب سنگھ قوم کائستھ، متوطن کانپور، مولف تاریخ ہزارہ، اس کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

گردھاری لال مولف تاریخ ظفر دکن، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، حال وسنہ نہیں معلوم،

راجہ کندن لال اپنے زمانہ کے مشہور فاضل تھے، فلسفی کے لقب سے مشہور تھے، دہلی وطن تھا، سنہ ۱۲۳۱ھ میں قسطاس

لکھی، ان کی ایک تاریخی تصنیف تنقیح الاخبار ہے جس میں زیادہ تر خود اپنے حالات لکھے ہیں،

اب ۳۴ ہندو مورخوں کا تذکرہ ہوا، ان کے زمانوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ صرف ڈھائی سو برس کی مدّت کے اندر پیدا ہوئے ہیں، یہ تعداد ابھی بہت کچھ بڑھ سکتی ہے، کیونکہ ہندوستان کے سیکڑوں ہزاروں ذاتی کتب خانوں کے معلومات حاصل کرنے کے ذرائع ہمارے پاس نہیں ہیں، بہت سی ایسی کتابیں ہیں، جو جاہل خاندانوں کی نذر ہوگئی ہیں، تاہم اتنی مختصر تعداد سے بھی ہم کو تسلی ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس اسکولوں اور کالجوں کے عہد میں سوا سو برس کے اندر انگریزی کے ہندو مورخین اتنے بھی پیدا نہ ہوسکے۔

پھر اس نکتہ کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ آج انگریزی تاریخ کی کچھ کتابیں جو بنگالی یا دکنی برہمن مصنفوں کے قلم سے نکلی ہیں، وہ صرف یونیورسٹیوں کے سہارے پر لکھی گئی ہیں، کہ وہ کورس میں داخل ہوسکیں، اور ان سے کچھ تاجرانہ منافع حاصل ہو، لیکن گزشتہ شاہی زمانہ کے مصنفوں کی یہ حالت نہ تھی، ان کا محرک یا محض شوق علمی تھا یا سلاطین اور امرائے ملک کی قدر شناسی۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ با ایں ہمہ آج کل تاریخ کی جو کتابیں ہندوستانیوں نے لکھی ہیں یا لکھی جارہی ہیں، وہ زیادہ تر کتابوں کی ورق گردانی اور اگلے مصنفوں کی دانائی کے ساتھ نقل صورت ہے، وہ صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کے بعد نہیں بلکہ محض کتب خانوں کی الماریوں کی تلاش کے بعد لکھی گئی ہیں، وہ دنیا کی وسیع فضا میں چل پھر کر نہیں، بلکہ بلند ایوان لائبریریوں کے قید خانوں میں بیٹھ کر ترتیب پائی ہیں، اپنی آنکھوں سے مشاہدہ حقائق اور استنباط نتائج کی بناپر نہیں لکھی گئی ہیں، بلکہ صرف اپنی دماغی محنت وکاوش اور کتابی تلاش وتفحص کی مدد سے، لیکن جن اگلے ہندو مورخوں کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، ان کی تصنیفات زیادہ تر مشاہدۂ فطرت، معائنۂ حقیقت اور مطالعۂ واقعات کے نتیجے ہیں؛

ان مصنفین کے حالات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انمیں زیادہ تر ایسے تھے، جو شاہی دفاتر کے ذمہ دار افسر تھے! ان میں بہت سے دفاتر شاہی منشی، وقائع نویس، اور دیوان تھے، انکی نگاہ سے سلطنت کا کوئی راز چھپا نہ رہتا تھا، سیاسی، انتظامی، اور مالی ایک ایک جزئی واقعہ پر انکو عبور تھا، اسلئے وہ جو کچھ دیکھتے تھے وہی لکھتے تھے اور یہی سبب ہے کہ ان کو اپنے تاریخی اوراق کے مرتب کرنے کا سب سے بہتر موقع ملتا تھا۔

(۶)

ہندو فارسی شعراء

محکوم قوموں کو حاکم قوم کی زبان سے کسی طرح استغنا نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں فارسی ہندوستان کی سرکاری زبان تھی، اور اب انگریزی ہے، اس زمانہ کے طرزِ حکومت کے لحاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ فارسی زبان کے سیکھنے کے لئے محکوم قوم کو کبھی مجبور نہیں کیا گیا اور آج جس معاش کی مجبوری سے ہمکو انگریزی پڑھنی پڑتی ہے، کل بھی یہی حالت تھی، بہرحال کسی سبب سے بھی سکندر لودی کے زمانہ سے ہندوؤں کو فارسی کی جانب توجہ ہوئی اور اس میں اس درجہ انھوں نے ترقی کی کہ ایک انگریز مورّخ کے بقول "ہندوؤں اور مسلمانوں میں فارسی زباں دانی میں کوئی فرق نہیں رہا۔"[1]

---

[1] ہندوستان میں علوم کی ترقی مسلمانوں کے زمانہ میں" مسٹر لا نے یہ قول نقل کیا ہے۔

آج بھی انگریزی تعلیم اسی سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے جہاں تک گزشتہ اور موجودہ زمانہ کے مقابلہ سے ثابت ہوتا ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ با ایں ہمہ نظم و اہتمام، جدوجہد، سعی و کوشش اور زرپاشی و اسراف جدید تعلیم کا وہ نتیجہ نہیں پیدا ہوا جو پہلے پیدا ہوا، یہ ممکن ہے کہ مکتب اور تعداد کے لحاظ سے آج کل کی سرکاری زبان کے جاننے والے زیادہ ہیں، لیکن کیفیت اور اثر کے لحاظ سے گزشتہ تعلیم زیادہ مفید، کارآمد اور موثر تھی۔ اس کے اسباب میرے خیال میں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) تعلیم مفت تھی صرف طلب نہ تھی۔

(۲) اساتذہ شفیق باپ اور مرشد کی حیثیت رکھتے تھے، آج کل کی طرح اجرت گیر اور پیشہ ور معلمین نہ تھے۔

(۳) زبان تعلیم سے نہیں بلکہ اہل زبان کی صحبت اور مجلس سے حاصل ہوتی ہے، اس زمانہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی معاشرت، صحبت اور سوسائٹی میں کوئی امتیاز نہ تھا، روز و شب کی صحبتیں رہتی تھیں، مجلسیں تھیں، ایک سوسائٹی تھی، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو فارسی زبان باتوں میں آجاتی تھی، اسی کا یہ اثر ہے کہ اب تک اسکولوں اور کالجوں میں ہندو طلبہ فارسی کو سہل و آسان

سمجھ کر اختیار کرتے ہیں، اور سنسکرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں، گو رفتہ رفتہ قومی تعصب کا رنگ اب تعلیمی تفریق و امتیاز بھی پیدا کرتا جاتا ہے؛

بہر حال یہ واقعہ ہے جس کی کوئی تکذیب کی جرأت نہیں کر سکتا کہ ادبی حیثیت سے فارسی تعلیم نے ہندوؤں پر جو اثر ڈالا وہ انگریزی تعلیم با اینہمہ ہمہ گیری نہ ڈال سکی، سو ڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں کتنے ایسے انگریزی کے باکمال شاعر گزرے ہیں، جن کا نام تاریخ کے صفحات میں زندگی حاصل کر سکا ہے یا کرے گا، جو نام سامنے ہیں ان کی تعداد پانچ یا چھ سے زیادہ نہیں، اور یہ بھی زیادہ ہے لیکن دیکھو کہ محض تیموریوں کے آخری زمانہ میں صرف دو ڈھائی سو برس کے اندر فارسی زبان کے اندر کتنے ایسے ہندو شعرا گزرے جن کے نام اب تک ہمارے تذکروں کے فخر و مباہات کے باعث ہیں، جن کے اشعار کو سن سن کر اہل زبان سر دھنتے تھے، اور مزے لیتے تھے، آج انگریزی کے دو تین ہندوستانی شاعروں کی وجہ سے جن کی اہل زبان نے کچھ تعریفیں کر دی ہیں، یا ان کو کوئی انعام مل گیا ہے فرنگی مدح و ستائش کے گیت گاتے گاتے ہماری زبانیں خشک ہو گئی ہیں، لیکن ذرا اپنے اسلاف کو دیکھو کہ ان کے کیا

کارنامے تھے۔ میں نے چند فارسی تذکروں کو سامنے رکھ کر حسب ذیل اشخاص کا انتخاب کیا ہے، ان کی ترتیب زمانہ اور دور پر نہیں بلکہ حروف تہجی پر ہے، ان میں سے ہر ایک نے سلاطین زمانہ اور ابنائے عصر سے اپنی زبان آوری کی داد آج سے بہتر طریقہ پر پائی تھی، اس احتیاط کی بنا پر کہ تذکرہ نویسوں کے اصلی الفاظ محفوظ رہیں اور زیادت و نقص اور کمی و بیشی کا شبہ نہ ہو، اصل عبارت فارسی ہی اس مقام پر نقل کرنا زیادہ مناسب ہے۔

آرام منشی ایشری داس، قوم کائستھ، در زمرۂ سرکار امیر الامرا نواب غضنفر جنگ رئیس فرخ آباد انسلاک داشت نظم و نثر فارسی بفصاحت و بلاغت مشتمل بر لطائف و صنائع و بدائع لفظی و معنوی می نگاشت از نثرش بعض وقائع و سوانح بنظر گزشتہ حق آنست کہ بکمال لطف و خوبی می نگاشت، در مدح نواب عماد الملک نیز نظام الملک آصف جاہ بہ استیصال سورج مل جاٹ گفتہ

بغنسترِ کوکبۂ بخشی ممالک ہند   سزد کہ باج ز خوارزم و ز ختن گیرند
شہان صولت آل جم وقار آصفجاہ   رکاب توسن شاہنشہ زمن گیرند
جوان و صاحب بخت جوان نظام الملک   کہ باد ہمت از دم مردم دکن گیرند

برید گردن بلوائے فتنہ ساز نخست　　چنانچہ صبح سر شمع در لگن گیرند

آفریں بتن لال، قوم کائستھ، ساکن الہ آباد، در رنگینی مضمون آفرینی سحر کاری می نمود،

مبارکباد مرغانِ چمن را　　نواسنجانِ رنگیں انجمن را
کہ عیدِ نوبہار آمد طرب جوش　　نوی گل کرد دورانِ کہن را

اخلاص کالی پرشاد قوم کائستھ، متوطن حوالی لکھنؤ مشق نظم و نثرِ فارسی از مولوی احسان اللہ ممتاز امامی نمود بعد مرگش کلام منظوم و منثورا و پریشان گردید، قصیدہ در مدح محمد علی شاہ اودھ برشتۂ نظم کشیدہ کہ بہ صنعت توشیح از ہشت جا محمد علی شاہ بادشاہ زماں خلد اللہ ملکہٗ برآوردہ و از خزانۂ شاہی ہزار روپیہ بجائزہ بردہ،

اُلفت راجہ الفت رائے بخشی ممالک اودھ، دستگاہش بر اصنافِ نظم و قصیدہ و غزل و رباعی و مثنوی قوی بسکہ موزوں طبع بود۔

نیست اہلِ آسماں را بر درت بے اذن بار　　می کند گردوں طوافِ وضعت لیل و نہار
ہر چہ ناممکن بود آید ز تو بر روئے کار　　از غبار درگہ عرش احترامت آشکار

الفت لالہ اُجاگر، قوم کائستھ عظیم آبادی است، برائے اصلاح سخن بخدمت میر محمد علیم سمرقندی می رسید،

درآمد شام غم در سینہ حسرت نام ہمانے   زداغ دل کشیدم بے تکلف پیش او خوانے

الفتی راجہ پیارے لال، قوم کائستھ از موزونان طبع عظیم آباد است مثنوی نیرنگِ تقدیر و دیوان اشعارش مطبوع طبائع میر منشی بادشاہ اکبر ثانی بود، و با ارباب کمال طریقۂ الفت و خلق مرعی نمود،

چوں غنچہ جز سکوت بنا شد بیانِ ما   پیچیدہ شد زبان سخن در دہانِ ما
در دشت پر بلائے جنوں نیست الفتی   جز موج ریگ اشکِ رواں کاروانِ ما

امانت لالہ امانت رام از شاگردان مرزا بیدل و در انداز سخن سنجی بہنجار اُستاد مائل

نمی گردد بلند از خاک ہم باد مزارِ ما   کہ بنشیند مبادا بر دل خوبان غبار ما
شکر للہ نقش پائے مہ جبینے یافتم   آرزوئے سجدہ می کردم زمینے یافتم

اندرمن پسر کنول رام مولدش قصبۂ اورنگ آباد از عمال علی گڑھ، استفادۂ علم فارسی از شیخ نظام الدین سکندر آبادی کردہ در موزونی طبع بسخن سنجی نام برآوردہ ہر چند در عین جوانی نابینا شد مگر قوت حافظہ اش چنداں افزود کہ سائر نظم و نثر خودش نوکِ زبان بود،

صد جلوہ در کرشمۂ آں ماہ پارہ ہست   ایں ماہِ نو ز ابروئے او یک اشارہ ہست

انس لال چند کائستھ لکھنوی، از و دیوانے مختصر یادگارِ سنہ ۱۲۶۸ھ

روح جمشید بر در رشکِ مے نوشیِ ما   کہ لب یار بود مایۂ بے ہوشیِ ما

جاے رحم است خدارا نتواں کرد دریغ ہست وابستۂ تیغ تو سبکدوشی ما

انیس موہن لال شاگرد مرزا فاخر مکین، نام پدرش رائے تلا رام کائستھ صاحبِ دیوان فارسی،

(ب)

بدر رائے گنگا پرشاد بہادر از زمرۂ کائستھان فہمیدہ وسنجیدہ شہر لکھنؤ است، بحضور واجد علی شاہ عہدۂ سررشتہ دار در علم سیاق وسباق سر بر می آورد،

ہر نفس دعوئے خدائیہا می کند سجدۂ بتے کہ کند
من و اندیشۂ رہائیہا از خم طرۂ اش معاذ اللہ

برہمن چندربھان آگرہ در سرکار داراشکوہ عہدۂ منشی داشت بعد قتل وے ترک نوکری ماندہ بشہر بنارس رفت در ۱۰۷۳ھ مُرد،

گفتم ز سادہ دلی بند دیدہ مژگاں داشت
بمشت خس نتواں بست راہ طوفاں را

بہار ٹیک چند، کلامش دلپسند تتبع زبان فارسی بدرجہ قصوی رسانیدہ، کتاب بہارِ عجم (لغت) وجواہر الحروف روست، از ارشد تلامذۂ سراج الدین خاں آرزو

بانِ اے دل بیاں اضطرابم می پرد ذرہ ام بے طاقتی تا آفتابم می برد

بہجت مکھن لال صاحبِ دیوانِ بہجت

ت

تفتہ منشی گوہر لال تفتہ، برہمن خیلے پرگوست، کلام منظومش بسیار، پنج دیوان شعر دارد، ابیات ہریکے ازاں قریب سیزدہ ہزار کل ۵۲ ہزار۔

چند گوئی کہ نشان نیست ز خونیں کفناں
مگر ایں لالہ کہ بینی ز شہیدان تو نیست

تمنّا کمن لال کائستھ از شکوہ آباد است دیوان و مثنویش ہمگی ۱۵ ہزار بیت است،

ث

ثاقب مہاراجہ شیو پردھان جی گوپال سنگھ بہادر از کائستھان سری باسپت است، پدرش منشی بینی پرشاد سررشتہ دار دیوان عام سلطانی اودھ بود، شیو پردھان سرکار و دربار دیوانی شہزادہ صاحب جنرل فریدوں قدر مرزا ہزبر علی اودھ بود، تاریخ اودھ کہ نام تاریخی او دفتر ثاقب و نسخۂ تاریخ دہلی کہ نام تاریخش حقیقت تیموریہ تالیف آں سخندان و مجموعۂ نادرات الثاقب

و مثنوی مختصر ہمت از منظومات آن است۔

ح

حیا شیو رام اکبر آبادی کائستھ، پدرش بھگوتی مل، از متصدیان سرکار نواب اسد خاں وزیر عالمگیر بادشاہ مشق شعر و سخن از مرزا بیدل می نمود، نسخۂ گلگشت بہار و ارم بطور چہار عنصر مرزا بیدل مستعدی تمام نگاشتہ ۱۱۴۲ھ وفات یافت،

بیاد چشم تو داریم مے پرستیہا
رسانده ایم بگردون دماغ مستیہا

خ

خوشدل رائے امر سنگھ ولد جیون رام کائستھ، از کڑہ مانکپور، جیون رام در سرکار وزیر الممالک نواب ابو المنصور خاں صفدر جنگ، در زمان نواب شجاع الدولہ بہ نظامت سرکار غازی پور مامور گردید، رائے امر سنگھ بعد تحصیل علوم و فنون اولاً در سرکار مہاراجہ اجیت سنگھ راجۂ بنارس و آخر در سرکار انگریزی بدایوں علی گڑھ کامران گشت، در ۱۲۲۵ھ در گذشت، بہار دانش نظم و نسخۂ تاریخ فرمان روایانِ ہنود، تا سلطان علاء الدین غوری از وے یادگار است اشعار دیوانش تخمیناً پنج ہزار است،

گرم است بسکہ نالۂ آتش فشانِ ما
سوزد برنگ شمع زبان در دہان ما

خیالی منشی خیالی رام لکھنوی، در نظم و نثر فارسی قدرتش علی وجہ الکمال و تالیفاتش کہ نماند از یک صد و از انجملہ شرح اعجاز خسروی در سنہ ۱۲۸۹ھ بگذشت، قصیدۂ در مدح واجد علی شاہ و صفت نور منزل نوشتہ کہ از حروف اوائل مصاریع اولی سنہ ہجری و از حروف اوائل الفاظ آخر سنہ فصلی و از مصاریع ثانیہ سنہ عیسوی و سمت ہندی،

خاموش رام صاحب المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ اس کے فارسی دیوان کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

ر

راقم بختاور سنگھ لکھنوی، بشیریں گفتاری از ممتازانِ گروہ ہندو پسرش جواہر سنگھ جوہر از پدر خود خوش گو،

رحمتی کنور سکھراج سنگھ بہادر خلف کنور ہیرا لال ضمیر، پسر راجہ پیارے لال اُلفتی

گز بہجرش دل سودا زدہ غمناک شود
جامۂ صبر ز بیتابیِ من چاک شود

رفعت میکو لال لکھنوی، طبعش بشعر و سخن مائل و مشق ایں فن از مولوی نذیر احمد می نمود،

رفیق داتا رام طبعش باموزونی توام و لب و لہجہ اش باخوش بیانی ہمدم،

نگار من برخ خویش چوں نقاب گرفت
فتاد شور کہ امروز آفتاب گرفت

رونق منشی رام سہائے لکھنوی، نظم و نثر فارسی بلطافت می نوشت، سنہ ۱۲۹۰ھ وفات، دیوان شعر و مثنویات ازوے یادگار غزلے نوشتنہ در چہار بحر.

ز

زار منشی مینڈو لال در شہر لکھنؤ در نظم و نثر فارسی، شاگرد انش بسیار، دیوان فارسی و رسائل عروض و معنی و بحر العلوم در ہفت صحیفہ بطرز پنج رقعہ و نادر بازار بہ تتبع مینا بازار و جاوید بہار،

س

سبقت سکھراج پدرش بملازمت عمدۃ الملک بہادر وزیر بادشاہ عالمگیر معزز است. از مستعدان روزگار بودہ

در علوم ادبیہ و حکمیہ و حساب و طب و تصوف از اقران گوئے سبقت برد، بر انواع نظم و معمّا و تاریخ قدرت داشت شاگرد بیدل در سرکار سید حسین علی خاں کار دیوانی و میر سامانی سرانجام دادہ بمنصب پانصدی رسیدہ، جنگ نامہ حسین علی خاں قریب ہفت صد اشعار، از وے یادگار،

سروری رائے بلسی دھر، نواسۂ بخشی الممالک راجہ لال جی بہادر نظم و نثر فارسی را پیش مولوی احسان اللہ بمشق رسانید،

نامم بمعنی و سخن امروز سروری است
مداحِ آلِ سرور و شیدائے سرورم

ش

شاداں مہاراجہ چندو لال دیوان دولت آصفیہ حیدر آباد بزمش مجمع اہل کمال مطلعِ اربابِ سخن در ہر شب مجلس شعر و سخن برپا می ساخت در فن شعر پایۂ بلند داشت، فارسی دیوان چھپ گیا ہے یہ مہاراجہ کشن پرشاد کے پر دادے تھے سنہ ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی،

شفیق منشی لچھمی نرائن کھتری اورنگ آبادی شاگرد مرزا آزاد دو تذکرۂ شعراء دارد گلِ رعنا و شامِ غریباں صاف گو خوش بندش است اصلش از لاہور است، پدرش بھوانی داس ہمراہ عالمگیر وارد دکن گردید، در اورنگ آباد سکونت گزید شفیق در سلک ملازمان عالی جاہ خلف نواب نظام علی خاں منتظم گردید، در سنہ ۱۲۰ھ مُرد۔

شوق منشی دولت رائے نبیرۂ راجہ بھولا ناتھ از زمرۂ منشیان بیت الانشاء شاہی اودھ ممتاز گردید، قصیدہ بلیغہ گفتہ در صنعت عکس و سجع در وے گفت، بہمراہی شاہ واجد علی مع اہل و عیال کلکتہ بیامد سنہ ۱۲۷ھ مُرد۔

ہر لحظہ فروغ است چمن تو جہاں را
داغِ تو چراغ است دل پیر و جواں را

شہر لالہ بالمکند مانک پوری در سنہ ۱۲۵ھ بگذشت، طبع نکتہ سنجی و نظم گوئے داشتہ

مکن اشک مرا بے قدر اے مژگان تر رحمے
بریں طفل غذا پروردۂ خونِ جگر رحمے

ص

صاحب رام سخن سنج فارسی در تاریخ گوئی ملکہ داشت، در

عہد سلطنت شاہ غازی الدین حیدر علم شہرت می افراشت در تاریخ وفات غازی الدین حیدر بادشاہ کہ در مقام نجف شہر لکھنؤ مدفون است می گوید

چوں رفت شہ زمن ز دنیا　　ماتم دل خاص و عام بگرفت
از روئے بکا و آہ گفتم　　حیدر بہ نجف مقام بگرفت

(۱۲۴۳ھ)

ض

ضیائی راجہ گوبند بخش ضیائی المتوفی ۱۲۴۵ھ ان کا نہایت عمدہ فارسی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں ہے،

ع

عشرت جے کشن از براہمہ کشمیر در سخن طرازی سلیقہ اش نیکو، مدتے بملازمت نواب نجم الدولہ امیر خاں، دیوان خالصہ شریفہ بقانون گوئے تمام خطۂ کشمیر سرافراز،

دشت از لالہ بسکہ رنگین است　　پائے دیوانہ دست گلچین است

گ

گلشن راجہ جیالال بہادر، خوش فکر، صاحب دیوان، بدیوان انشا ابوالفتح محمد علی شاہ اودھ سردفتر منشیان،

گلشن رائے گلاب رائے سندیلوی، شاگرد قتیل، در ریاست اودھ معتمد عہدہ ہائے جلیلہ، در استعداد علمی بے عدیل در فنون سپہ گری فاقد المثال تذکرۂ شعراء ضخیم و دیوانے حجیم یادگار،

آنکس کہ از زبان تو حرف خفا شنید گویا پیام خضر ز آب بقا شنید

م

مشتاق لالہ بیجناتھ مشتاق بریلوی

مطیع لالہ رام بخش قنوجی

ممتاز لالہ سیتل داس در نازک خیالی ممتاز، بلب و لہجہ اہل زبان پرداز بود.

منشی منشی مادھو رام شاہجہان آبادی در سرکار نواب لطف اللہ خاں بن سعد اللہ خاں شاہجہانی بعہدہ انشاء امتیاز داشت، رفتہ رفتہ امیر الانشاء معز الدین جہاندار بن بہادر شاہ مشرف،

نمی رسد بمیان صنم زباریکی ہزار بار بدقت شگافتم مو را

منشی لالہ فتح چند برہان پوری، کائستھ، طبع نظم دارد و خوش گو است،

نیست آسائش بمنزل جان از خود رستہ را
ہر قدم دام است نقش پا شکار جستہ را
بسکہ از شرم تو در پرواز رنگ گلشن است
رشتۂ نظارہ بندد در ہوا گلدستہ را

منوہر رائے منوہر لال از امرائے سلطنت اکبر بادشاہ است طبع متین و رائے زریں داشت رباعی

روزیکہ سموم حشر افزوں گردد — در آتش غم چو چہرہ گلگوں گردد
مادر دوزخ چناں بنوعے سوزیم — کز رشک دل بہشتیاں خوں گردد

موجد سکھن لال بدایونی

چہ شکیبم چہ کنم چوں نزنم سر بر سنگ
مدتے شد کہ ز جاناں خبرے پیدا نیست

موجد لالہ کالکا پرشاد لکھنوی بموزونی طبع و رسائی ذہن امتیاز داشت و خط نستعلیق خوشتر و شیریں می نگاشت بہ اصطلاحات و محاورات زبان فارسی بخوبی ماہر

رسائی نیست تا سر منزل کفر و ایماں را
کہ دیر و کعبہ سنگ رہ بود گبر و مسلماں را

موجی لالہ موجی رام

موزوں راجہ رام نرائن عظیم آبادی، پدرش بدیوانی سرکار نواب مہابت جنگ عزت داشت بعدہٗ ابایں عہدہ موروثی رسید، در جنگ پامردی نہاد، دیوانِ اشعارش شاگرد شیخ محمد علی حزیں سنہ ۱۱۷ھ،

موزوں راجہ مدن سنگھ اٹاوی، پدرش راجہ جگت سنگھ دستِ توسل بدامن دولت غازی الدین خاں آویخت و بمنصبِ سہ ہزاری و بخطاب راجگی و بعہدۂ دیوانی نواب ممدوح، مدن سنگھ در سرکار نواب آصف جاہ دکن مستوفی الممالک بود و در عہد ناصر جنگ منصب دو ہزاری و علم و نقارہ و خطابِ راجگی یافت و معمور بحراست قلعہ مصطفیٰ نگر گردید، تا آنکہ افواجِ انگریزی محاصرہ و یورش بر آں قلعہ نمود راجہ تا توانست پائے برجا ماند، بصدمۂ تفنگ بعمر ۵۰ سال سنہ ۱۱۷۹ھ جان داد، در نظم و نثر فارسی استعدادے نیکو داشت:

گرد گلشن جلوۂ رنگیں یار آئینہ را
می رسد عرض قدمبوس از بہار آئینہ را

ن

نقاد پنڈت جے گوپال کشمیری از آشنایان قاضی محمد صادق

اختر بودہ شاگرد قتیل ،

و

وامق کھتری بود بہ برکت صحبت مولوی عبداللہ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی مشرف بہ اسلام شدہ محمد اخلاص خاں مخاطب گردید، وبملازمت اورنگ زیب رسیدہ بوکالت بعضے انامرا، می شناخت، نظم ونثر چناں خوب ترمے نوشت کہ اورنگزیب زبان بہ احسنت وآفریں می کشود، در جوانی میل بشعر وشاعری داشت بعدازاں بافادۂ علوم وفنون طبیعت گماشت، ۱۱۴۳ھ مُرد ؛

محتسب مے کشی از دست تو مشکل شدہ است
شیشۂ مے بہ بغل آبلۂ دل شدہ است

وفا پنڈت دیاناتھ ولد ست رام کشمیری، شاگرد مرزا علی اکبر عارف شیرازی می نمود ،

وقار مدبر الدولہ منشی الملک راجہ جوالا پرشاد بہادر محکم جنگ ، امیر الانشا امجد علی و واجد علی شاہان اودھ ، باوجود چندیں اقتدار حرف در رشتے نسبت کسے نگفتہ ، در نظم ونثر فارسی ، صاحب استعداد است دیوانش مطبوع ،

۵

ہندو	شیو سنگھ لکھنوی
ہندو	گوکل چند قوم کھتری، فرخ آبادی،

۷

۱۔ ہندو ادبائے فارسی

ہندو ادبائے فارسی اس کثرت سے گزرے ہیں کہ ان کا شمار بھی حیطۂ امکان سے باہر ہے، ان میں بہت سے اچھے لکھنے والے انشا پرداز تھے، اور ایسے بھی تھے، جو محض دفتری ضرورت کے مطابق اس زبان میں نوشت و خواند کر سکتے تھے، ہندوؤں کے دوسرے فرقوں کی بہ نسبت کائستھ ذات نے فارسی زبان کی تحصیل میں کثرت تعداد کے لحاظ سے زیادہ ناموری حاصل کی، لیکن اصل زباندانی اور جوہر سخن کے لحاظ سے برہمنوں نے زیادہ کمال پیدا کیا خصوصاً آخر زمانہ میں کشمیری برہمنوں نے جس طرح آجکل بنگالیوں کی انگریزی زبان کو "بابو انگریزی" کہتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کے عہد حکومت میں "کائستھوں کی فارسی" اور "لالاؤں کی فارسی" مشہور تھی۔

دفاتر میں زیادہ تر ہندو ہوتے تھے، محکمہ انشا (سکریٹریٹ) اور مال کے صیغے تمامتر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے، آخر زمانہ میں انشاء کے اعلیٰ افسر بھی ہندو ہونے لگے تھے، جن کو عموماً میر منشی اور از روئے خطاب منشی الممالک کہتے تھے، ان عہدوں پر جو ہندو سرفراز ہوتے تھے، وہ فارسی زبان کے متعلق ادیب ہوتے تھے، بادشاہ کی طرف سے ہر قسم کے احکام و فرامین انہی کی زبان و قلم سے ادا ہوتے تھے، وقائع نویسی کی خدمت پر بھی یہی زیادہ تر مامور ہوتے تھے۔

ہندو ادبا کے یہ فرامین، منشات اور رقعات جب زیادہ جمع ہو جاتے تھے اور ان کی مقبولیت عام ہو جاتی تھی تو وہ بطور کتاب کے یکجا جمع کردیئے جاتے تھے، ان میں سے بعض مجموعے اس درجہ مقبول و ہر دلعزیز ہوتے تھے کہ وہ طالب علموں کے نصاب تعلیم میں داخل کر لئے جاتے تھے۔

چنانچہ منشآت برہمن، انشائے مادھورام، منشات جواہرل خطاط، خیالات نادر، دستور الصبیان وغیرہ اسی قسم کی کتابیں ہیں۔

اس واقعہ کا ذکر بہ تکرار کئی دفعہ گزر چکا ہے کہ ہندوؤں نے

فارسی تعلیم لودھیوں کے زمانے سے شروع کی، چنانچہ فارسی کا سب سے پہلا ہندو ادیب بھی اسی زمانہ میں ہم کو ملتا ہے،

پنڈت ڈونگرمل

ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ پنڈت ڈونگرمل سکندر لودھی کے زمانہ میں تھے، ان کی فارسی زباں دانی پر مسلمان بھی تعجب کرتے تھے، کبھی کبھی فارسی شعر بھی کہتے تھے، چنانچہ ان کا ایک شعر ارباب تذکرہ نقل کرتے ہیں:۔

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر
رہ گم نشدے زلف تو ابتر نشدے گر

ٹوڈرمل

کھتری تھا، شیر شاہ کے عہد میں فارسی تعلیم حاصل کی، اور دربار تک رسائی پائی، شیر شاہی کاروبار کے انقلاب کے بعد اکبری نورتن میں شامل ہوا، جہاں مال کا صیغہ اس کے ہاتھ آیا، ٹوڈرمل فارسی کا خوشخط کاتب بھی تھا، تذکرۂ خوشنویسان میں ہے،

نویسندۂ چابک دست و خطوط بخوشخطی و نمکی می نوشت

اس عہد کے دیگر ادبا کا تذکرہ اس لئے قلم انداز کرتے ہیں، کہ ان کا ذکر دوسرے سلسلوں میں آچکا ہے!

رائے منوہر لال

رائے لون کرن کا خلف الرشید تھا، شہزادۂ

سلیم (جہانگیر) کے آغوش تربیت میں پل کر جوان ہوا، اور فارسی زبان میں یہ سلیقہ پیدا کیا کہ اہل تذکرہ اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں،

چندر بھان برہمن

اس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے، یہ عہد شاہجہانی کا سب سے بڑا ہندو ادیب تھا، پنجابی برہمن تھا، لاہور میں پیدا ہوا تھا، ملا عبد الکریم کی شاگردی میں اس کے فضل و کمال نے نشو و نما حاصل کیا تھا، فارسی زبان کا شاعر تھا، اور برہمن تخلص کرتا تھا، اس کا فارسی دیوان اب تک کتب خانوں میں موجود ہے، فارسی ادب میں بڑی دستگاہ حاصل کی تھی، افضل خاں امیر الامرائے شاہجہانی نے اس کی لیاقت و قابلیت کو دیکھ کر اس کو اپنا منشی خاص (پرائیویٹ سکرٹیری) بنایا، سنہ ۱۰۴۸ھ میں افضل خاں نے وفات پائی، تو وہ دربار شاہی کے سلک ملازمین میں داخل ہوا، اور دربار شاہجہاں کا وقائع نویس یعنی شاہی تاریخ و روزنامچہ کا چیف ایڈیٹر مقرر ہوا، اس عہدہ جلیلہ کے باعث وہ روزانہ بارگاہِ شاہی میں حاضر ہو کر ہر روز کے مرتبہ واقعات و حالات سناتا تھا، سنہ ۱۰۵۵ھ میں چندر بھان نے چہار چمن برہمن لکھ کر نوروز کے موقع پر سرہند میں دربار شاہجہانی میں نذر گذرانی اسکی

لیاقت وادب دانی کو دیکھ کر شہزادۂ داراشکوہ نے جو خاص طور پر ہندوؤں کے جوہر کمال کا قدردان تھا، اس کو اپنے زمانہ کے فضلائے ادب میں شمار کیا۔

اس نے اپنے رقعات ومنشآت کا مجموعہ بھی فراہم کیا، اس کا نام منشآتِ برہمن ہے، خوشخطی میں آقا عبدالرشید کا شاگرد تھا۔

ہر کرن داس ولد متھرا داس قوم کنبوہ، باشندہ ملتان سنہ ۱۰۳۱ھ میں زندہ تھا، فارسی علم ادب میں جو دستگاہ اس نے حاصل کی تھی، اس کی شہادت یہ ہے کہ وہ امرائے جہانگیری میں سے اعتبار خاں صوبیدار اکبر آباد کا میر منشی تھا، انشائے ہرکرن کے نام سے اس نے فارسی ادب کی ایک کتاب لکھی تھی جو اب تک بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔

وامق کھتری علمائے عالمگیری میں سے ایک کا وکیل (ایجنٹ) تھا، اس کے نظم ونثر اور ادب فارسی کی اسقدر دھوم تھی، کہ شہنشاہِ عالمگیر جو خود ایک بلند پایہ ادیب تھا تحسین وآفرین کہتا تھا۔

شیورام کائستھ اکبر آباد کا باشندہ تھا، اس کا باپ نواب اسد خاں وزیر عالمگیر کا متصدی تھا، مرزا

بیدل کا شاگرد تھا، مرزا کی چار عنصر کا جواب گلگشت بہار ارم کے نام سے اس نے لکھا تھا، سنہ ۱۱۴۲ھ میں وفات پائی؛

کنور پریم کشور راجہ جگل کشور کا پوتا، شاعر لطیفہ گو، سخن فہم، خوشنویس تھا، چند مثنویوں کا مصنف ہے،

منشی لچھمن سنگھ قوم کے بقال تھے، نہایت ہوشمند، عاقل اور عربی و فارسی کے ادیب تھے، ایرانیوں کی صحبت اُٹھائی تھی، اور مشہور ایرانی انشا پردازوں کے طرز پر لکھتے تھے، صاحبِ تذکرۂ خوش نویساں لکھتا ہے:-

"مرد دانا قابل، در علم و ہنر فارسی و عربی و عبارت پردازی خیلے مہارت داشت و در صحبتِ مرزا ہائے ایران بسیار ماندہ دل و دماغ دیگر پیدا کردہ و طور انشا پردازیٔ طاہر وحید و طاہرِ دکھنی و جلالا اختیار کردہ،

خوشخطی میں محمد حفیظ خاں کے، شفیعہ میں مرزا آغا کے، شاعری میں میر شمس الدین فقیر (المتوفی سنہ ۱۱۸۰ھ) کے شاگرد تھے شعلۂ آہ وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں، ظہوری کے اشعار ان کی نوکِ زبان رہتے تھے۔

پنڈت لالہ لچھمی رام ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں (المتوفی

سنہ ۱۱۹۰ھ) جو شاہ عالم کا وزیر تھا، اس کی سرکار میں یہ ملازم تھا، تذکرۂ مذکور کا مصنف ان کی نسبت لکھتا ہے :-

> منشی بے نظیر بود، در علم عربی و فارسی و انشا پردازی و مصوّری نصیب وافر داشت این چنیں انسان باسلیقہ و صاحب کمال کم پیدا می شود۔"

خوش وقت رائے شاداب کھتری، یہ ایک مشہور اور معزز خاندان کا فرزند تھا۔ بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، آخر اس درجہ کمال حاصل کیا، کہ اپنے زمانہ کے کبار علما میں سمجھا جانے لگا، تذکرہ مذکور میں ہے :-

> از ابتدائے عمر طبع را بہ تحصیل علم و ہنر راغب و مائل داشت و در اندک زماں در جمیع علم و ہنر آراستہ شد، در خصائل نیکو از ہمچشماں خود سبقت بردہ در خوشنویسی کمال داشت، ایں چنیں شخص دریں قوم صاحب استعداد و فیاض و قدر شناس کم شدہ باشد،

رائے پریم ناتھ اس کا خاندان ایک مدّت سے شاہی دفتر کا عہدہ دار چلا آتا تھا، یہ خود شاہ عالم کے سرکاری دفتر کا مالکِ کل تھا، خوشخطی و ادب دانی میں اپنے زمانہ کا

اُستادِ یگانہ تھا، شاگردوں کا بڑا مجمع اس نے یادگار چھوڑا،

سکھرام داس ولد بنیل کنیٹھ، زمانہ متعین نہیں، آمدنامۂ بدیع اس کی ایک تصنیف ہے، دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اطرافِ لکھنؤ کا باشندہ تھا، اور عہد شاہی میں قانونگوئی کے عہدہ پر مامور تھا!

ملیہ نرائن ولد جین رائے، قوم کھتری، عرف سودھی، پنجاب کا رہنے والا تھا، فرخ سیر کے عہد میں محکم سنگھ اس کو منشی (سکریٹری) کے عہدے پر سرفراز کرکے اپنے ساتھ مارواڑ لے گیا، اثنائے سفر میں اس کو محمد طاہر کشمیری کی کتاب "ہوش افزا" ملی، اس نے اس کو بغور پڑھا، اور اس کی بنا پر اس کو قدیم ہندو عہد کے عجائبات اور مذہبی معجزانہ قصص کو فارسی زبان میں لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ رامائن، مہا بھارت، بھاگوت، ہری بنس وغیرہ سے انتخاب کرکے ۱۱۲۵ھ سے گلشنِ اسرار ربانی کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی، جو ۱۱۳۴ھ میں اختتام کو پہونچی،

منشی موہن لال منعم اکبرِ ثانی کے عہد میں تھے، ان کی تین مثنویاں، مثنویات منعم کے نام سے فارسی میں موجود ہیں، بہ ترتیب ان کا نام بہارِ عشق، شاہ رخ

اور دلبر جہاں ہے اور غالباً یہ تینوں افسانے ہیں، شاہ رخ اور دلبر جہاں کو اس نے اکبر ثانی کے نذر کیا تھا،

کشن سنگھ

ولد رائے پران ناتھ کھتری، قوم منگل، ساکن سیالکوٹ یہ فارسی زبان کا ایک چابک دست انشا پرداز تھا، گنج گروشی اور غریب الانشا وغیرہ کتابوں کا مصنف ہے۔ غریب الانشا، ۱۱۵۰ھ میں اس نے لکھی

بھوانی داس ولی

تم اس سے ہندو مورخین کی بزم میں مل چکے ہو، اس کا ادبی کارنامہ یہ ہے کہ بھاشا زبان سے ایک ناٹک پرودھ چندرودیا کا فارسی زبان میں ترجمہ کر کے شرابِ شیراز کے متوالوں کو ہندوستان کی ام رنگی کا مستانہ بنایا، ۱۱۳۰ھ میں یہ موجود تھا؛

دونی چند

۱۱۳۰ھ میں گیگو ہر نامہ کے نام سے فارسی زبان میں ایک افسانہ لکھا دیوان غلام محمد خاں جو بہادر شاہ اوّل کے عہد میں امیر تھا، اس کا مربی اور محسن تھا،

شنبھو لال

یہ مہاراجہ چیت سنگھ والیِ بنارس کا منشی (سکریٹری) تھا، ۱۱۹۰ھ میں اس نے مفتاح خزائن نام کتاب لکھی، جو بہت سے خطوط کا مجموعہ ہے، جن میں سے بعض نہایت اہم ہیں؛

منشی ٹھوری مل تمکین

بارھویں صدی ہجری کے اوائل میں فارسی کا یہ ایک مشہور ادیب تھا، اس کے پوتے پران چند سرشار ولد بخت مل نے اپنے دادا کے فارسی خطوط اور رقعات کو گلدستۂ فیض کے نام سے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کیا، یہ خطوط سنہ ۱۱۳۹ھ کے زمانے کے لکھے ہوئے ہیں،

منشی سجن رائے پوری

شجاع الدولہ کے عہد میں سنہ ۱۱۶۷ھ میں راجہ رائے پور کے دربار میں نوکر تھے، منشی تخلص تھا اور قلم کے بھی منشی تھے، فن انشا پر انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے، انشائے نیاز نامہ نام رکھا ہے کتاب کے تین ٹکڑے کئے ہیں :-

(۱) عرائض
(۲) رقائم
(۳) ثمرہائے متفرق

منشی جسونت رائے

عالمگیر ثانی کے عہد میں تھے گلشن بہار کے نام سے انھوں نے ایک چمن ادب کھلایا ہے مختلف لوگوں کے خطوط اس میں جمع کئے ہیں،

جن میں بکثرت سیاسی اور جنگی معلومات ہیں، شاعر بھی تھے۔ منشی تخلص بھی کرتے تھے، اور اسی نام سے ایک دیوان فارسی بھی چھوڑا ہے۔ بسنہ ۱۲۰۰ھ میں تھے۔

نسا رام منشی تخلص تھا، سرزمین پنجاب کے مجنوں و لیلے ہیر اور رانجھا کا افسانہ حسن و عشق نظم کرکے اہلِ فارس کو سُنایا، ۱۱۵ھ میں نغمہ سرائے محبت، سرائے فانی سے کوچ کر گیا۔

عوض رائے مسرّت تخلص، قصیدۂ مسرّت کہہ کر شاہ عالم کے دربار میں پیش کیا، اس میں کمال یہ کیا ہے کہ ہر شعر میں بادشاہ کو نئے طور سے خطاب کیا ہے، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے۔

نہال چند لاہوری یہ ایک افسانہ کا جس کا نام مذہبِ عشق ہے مصنف ہے، مذہبِ عشق میں نام و نشان ننگ ہے، اِس لئے اس ادیب کے حالات معلوم نہیں ہوئے۔

لالہ بھوپت رائے فنِ بلاغت کی ایک کتاب دستور سخنگرف کا مصنف، تصنیف تو حیدر آباد اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں قلمی موجود ہے لیکن صاحبِ تصنیف

کا تذکرہ مفقود ہے۔ حیدر آباد کا نسخہ ۱۱۹۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔

لالہ بھچک رائے فیض آباد کا باشندہ تھا، اس نے سعدی کی گلستاں میں پھول کھلائے، یعنی اُس کی شرح لکھی، جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔

منشی ایسری داس کائستھ، امیر الامرا، نواب غضنفر جنگ والیِ فرخ آباد کے منشی تھے، ایک فارسی تذکرہ کا مصنف ان کی نسبت لکھتا ہے:۔

"نظم و نثرِ فارسی بہ فصاحت و بلاغت مشتمل بر لطائف و صنائع لفظی و معنوی می نگاشت از نثرش بعض وقائع و سوانح بنظر گذشتہ حق آنست کہ بکمال لطف و خوبی می نگاشت۔"

منشی ٹیک چند بہار ان کا تذکرہ آگے آئے گا، یہاں صرف اس حیثیت سے ان کو جگہ دی جاتی ہے کہ یہ بوستان سعدی کے شارح اور بہارِ بوستان کے مصنف ہیں۔

انند رام زمانہ متاخر کا ایک فارسی ادیب ہے۔ ۱۱۵۹ھ کے قریب اِس دُنیا سے چل بسا، لیکن اس کے چمنستان کی بہار اب تک باقی ہے، یہ ایک فارسی افسانہ ہے،

۱۲۹۴ھ میں بھی یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

ماتا پرشاد صحیفۃ الشوق نام ایک فارسی افسانہ کا مصنف ہے، اس کا قلمی نسخہ ۱۲۸۲ھ ہجری کا لکھا ہوا کتب خانۂ آصفیہ میں ہے۔

دین دیال عجیب القصص معروف بہ شبستان عشرت ایک افسانہ فارسی زبان میں اس نے لکھا ہے، ۱۲۹۶ھ میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے؛

امر سنگھ رامائن امر پرکاش کے نام سے فارسی میں پاربتی، مہادیو، رامچندر جی، اور راجہ دسرت کے قصوں کو نظم کر گیا۔

سیالکوٹی مل ان کا ذکر آگے آتا ہے یہ زمانہ متاخر کا بہت بڑا ادیب تھا، صفات کائنات کے نام سے فارسی علم بلاغت میں اس کی ایک کتاب ہے، جو ۱۲۹۵ھ میں چھپ گئی ہے، اس کی دوسری کتاب رجم الشیاطین ہے جو سراج آرزو کی تنبیہ الغافلین کا جواب ہے، یہ دونوں کتابیں ادبی مطارحات پر مشتمل ہیں۔

لچھمی نرائن باپ کا نام مانی رام، سراج الدین آرزو کا

شاگرد تھا، لاہور اپنا وطن چھوڑ کر دلی میں آکر ڈیرے ڈالے، درانی کے حملوں نے دلی سے نکال کر بریلی اور اورنگ آباد کی سیر کراتے ہوئے لکھنؤ پہونچایا، یہ فارسی کا نامور انشا پرداز تھا، اس کے فارسی رقعے بہت مشہور ہیں، سنہ ۱۲۰۵ھ میں اس نے ان رقعوں کو ترتیب دے کر رقعات لچھمی نرائن نام رکھا،

لچھمی نرائن

یہ حاجی پور (بہار) کا رہنے والا تھا، عالمگیر کے عہد میں شہزادہ بیدار بخت کی سرکار میں پیشکاری کے عہدہ پر تھا، اور سہ صدی منصب رکھتا تھا، سنہ ۱۰۳۰ھ میں اس نے شاہنامہ کا انتخاب کیا، اس انتخاب کے دیباچہ کا پہلا شعر یہ ہے۔

شکر و سپاس و نعمت و منت خدائے را
پروردگار خلق خداوند کبریا

راجہ رام نرائن

لچھمی نرائن کا بیٹا عظیم آباد (پٹنہ) میں اس نے بڑا سیاسی عروج حاصل کیا تھا، اور مدت تک اس کا خاندان معزز رہا، شیخ حزیں کا شرف تلمذ اس کو حاصل تھا، خود صاحب ادب اور ادبائے زمانہ کا مربی تھا، نواب قاسم کی معرکہ آرائی کا نشانہ بنا، نہایت وسیع النظر اور کتب بینی کا شائق تھا،

کیول رام شاہ عالم کے عہد میں تھا، اور اودھ کے بیت الانشا میں منشی تھا، سنہ ۱۱۹۰ھ میں منشی کیول رام نے پچاس جز میں فن انشار پر ایک کتاب لکھی، اور طلسمات خیال اس کا نام رکھا،

پنڈت کرپا ندھان پنڈت جی کا جنم پتر معلوم نہیں، مثنوی دل پسند کے مصنف ہیں، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں سنہ ۱۲۴۳ھ کا لکھا ہوا اس کا قلمی نسخہ موجود ہے،

منشی خیالی رام لکھنؤ وطن تھا، خیالی تخلص، نظم و نثر فارسی کے استاذ واجد علی شاہ کے دربار سے تعلق تھا، ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہے، امیر خسرو کی سب سے مشکل کتاب اعجاز خسروی کی شرح لکھی۔

منشی مادھو رام دلّی کے رہنے والے تھے، اور فارسی زبان کے اُستاد تھے، انشائے مادھو رام انکا نتیجۂ فکر ہے، جس میں بادشاہوں، شہزادوں اور امرار کے نام خطوط ہیں، یہ پہلے نصاب فارسی میں داخل تھا،

ذیل کی سطروں میں چند منشآت کے نام نقل کرتے ہیں، ان کے مزید حالات سے واقفیت نہ ہوئی!

کامتا پرشاد	انشائے بے نقط کا مُصنّف۔
منشی کالی رائے	انشائے تمیز کا مصنف، اس انشا میں ایک صنعت بدیع (ترک حرف مسلسل) ملحوظ ہے،
دولت رام	کتاب کا نام انشائے دولت رام،
منشی بجے سنگھ رائے	انشائے راحت جان کا مصنف ہے، اس کتاب میں سخاوت وعدالت وغیرہ مختلف عنوانات پر مضامین ہیں،
ہر سہائے	انشاء ہر سہا، ان کی کتاب کا نام ہے، اس میں منشی گری کے قوانین، نظم ونثر فارسی میں بیان ہوئے ہیں،
منشی ہر نرائن	دھلی کے باشندے تھے، خیالات نادر، ان کے فارسی رقعات کا مجموعہ ہے۔
لالہ نوند رائے	دستور الصبیاں کے نام سے فارسی مکتوبات کے جامع ہیں،

لچھمی داس بن نرائن داس، رقعات نظامیہ اس کا سرمایۂ کمال ہے، چھپ گئی ہے،

خوشحال رائے دستور الامتیاز کے نام سے قوانین انشا کا مدون ہے، نسخہ موجودہ کتب خانہ آصفیہ ۱۲۰۳ھ کا نقل کیا ہوا ہے،

نندرام باپ کا نام ہیرانند، قانونچۂ انشاء اس کی تالیف ہے، موضوع کتاب نام سے ظاہر ہے، قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں ہے،

رام سنگھ گلشن عجائب، انشا میں اس کی کتاب ہے، نسخہ موجودہ ۱۲۲۳ھ کا چھپا ہوا ہے،

کشناجی پنڈت شاید یہ دکھنی ہوں، ان کی نادر الانشاء قلمی کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔

۲- ہندو لغت نویس

کسی زبان کے جاننے کے صرف یہ معنی نہیں ہیں، کہ وہ اس زبان کی عبارت کو بخوبی سمجھ سکتا ہو اور اس میں لکھ پڑھ سکتا ہے، یہ تو نہایت ادنیٰ

درجہ ہے، اصلی زبان دانی یہ ہے کہ وہ اہل زبان کی طرح اس زبان پر قابو رکھتا ہو، اور اس کے ذخیرۂ الفاظ کے ماخذ و اشتقاق کا علم اور غلط و صحیح کی تمیز اور خواص کے طرزِ ادا، ترکیب الفاظ، ادائے مطلب، اور محاورات پر اس کو دسترس ہو، ہندوستان میں جو ہندو ادبائے فارسی گزرے ہیں، غور کرنا چاہیئے کہ کیا ان کی واقفیتِ زبان ہماری آج کل کی بیرونی زبان کی واقفیت کے معیار سے کچھ بلند تر تھی یا نہیں،

اکبر کے زمانہ تک فارسی زبان کے چھوٹے بڑے بیس سے زیادہ لغت موجود تھے لیکن یہ تمامتر قدماء اور اہل زبان کے لکھے ہوئے تھے جو اہل ہند کی ضروریات کے مطابق نہ تھے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں، جن کو ایک صاحبِ زبان لغت نویس مشکل اور قابل حل نہیں سمجھتا حالانکہ غیر زبان داں کے نزدیک وہ سخت مشکل اور قابل حل ہیں، لغات سے زیادہ محاورات کا معاملہ سخت ہے اہلِ زبان ان کے ایک ایک نکتہ کو جانتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ تمام دُنیا ان کو اسی طرح سمجھ لے گی، حالانکہ دوسری قوموں کو جن کی وہ زبان نہیں، یہی مرحلہ دشوار نظر آتا ہے، غرض یہی اسباب تھے، کہ جن کی بنا پر ہندو ادبائے فارسی کو فارسی زبان کے لغات لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی،

ٹیک چند بہار قوم کا کھتری، سراج الدین علی خاں آرزو اکبرآبادی کے ارشدِ تلامذہ میں تھا، فارسی زبان کی گرہ و بند پر اسے کامل عبور تھا، اہلِ زبان کی مدت تک صحبتیں اُٹھائی تھیں، اس نے فارسی زبان کے کئی لغت لکھے، بہارِ عجم، نوادر المصادر اور جواہر الحروف، زیادہ مشہور بہارِ عجم ہے، اس کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے کہ بدوِ طفولیت سے ۵۳ سال کی عمر تک فارسی زبان کی تحقیق و کاوش میں بسر ہوا، ۲۰ برس تک متصل اس نے اس لغت کی تالیف و ترتیب میں بسر کیئے اور سات دفعہ خود اپنے ہاتھ سے مسودہ کاٹ چھانٹ کر صاف کیا۔ یہ عمر کی آخری کمائی تھی اور اسی پر جان دے دی، بہار کے شاگرد منشی اندر من نے آٹھویں دفعہ مرتب کیا۔ اور خطبہ اور خاتمہ لکھ کر شاہ عالم کے زمانہ میں ؁۱۱۸۳ھ میں ختم کیا، بہارِ عجم اس قدر مقبول ہوئی، کہ تمام اربابِ علم میں متداول ہو گئی اور لوگ اس کی سندیں پیش کرتے ہیں، ہر فارسی داں اس کے نام سے واقف ہے، محاورہ کے لئے اس نے اہلِ زبان کے شعر سند میں پیش کئے ہیں۔

سیالکوٹی مل وارستہ نام سے زیادہ یہ اپنے تخلص کے ساتھ مشہور ہے، شیخ حزیں پر سراج آرزو نے جو اعتراضات کئے تھے اس کے جواب میں رجم الشیاطین اسی نے لکھی تھی، سمجھ لو کہ اہل زبان اور اساتذہ فن کے مناظرات اور رد و کد میں جو صاحب نظر حملہ آورانہ اور خصوصاً مدافعانہ حصہ لے وہ کس درجہ اس زبان پر عبور کامل اور وقوف تام رکھتا ہوگا، وارستہ نے اسی فارسی زبان کے عشق میں ایران تک کی خاک چھانی اور کامل ۳۰ برس اس ملک میں بسر کئے، اس سفر کے نتائج علمی مصطلحات الشعراء اور صفات کائنات ہیں، مصطلحات الشعراء گو صرف ۴۰۰ صفحہ کی ضخامت کا لغت ہے، لیکن ۱۵ برس کی محنتوں کا صلہ ہے، وارستہ دیباچہ میں لکھتا ہے:۔

> اکثر محاورات غریبہ فارسی زبانان در اشعار فصاحت بار دیدم بہ تحقیق آں کمر سعی مستحکم بستم ہرچند گرد کتب لغات گردیدم، نفحۂ حل معانی بعضے ازاں نشنیدم، ناچار رجوع بزبان دانانِ

ایران دیار آوردم و پانزدہ سالہ، دریں تلاش بسر بردم، انچہ از زبان آں جماعت شنیدم برائے انتفاع جمہور سخن پردازاں خواستم در حیز کتاب آوردم،

پنڈت گنگا بشن حال نہیں معلوم، اس نے فرہنگ شیر و شکر کے نام سے عربی و فارسی الفاظ کا لغت لکھا ہے،

کاشی راج کھتری لغت پنجابی کے نام سے فارسی زبان میں لغت لکھا ہے اس کا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے،

گردھاری لعل دکن کا باشندہ ۱۲۴۱ھ میں گنج اللغات فارسی لکھی، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے،

فرہنگ آنند راج اس فرہنگ کا ذکر اس سلسلے میں مناسب نہ تھا، کہ اوّلاً تو ایک مسلمان کی تصنیف ہے، ثانیاً اس لئے کہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت کے بعد لکھی گئی ہے، لیکن صرف اس بنا پر اس کا تذکرہ مقصود ہے کہ اس سے ادائے احسان کا موقع پیدا ہو، فرہنگ آنند راج چالیس

پچاس برس ہوئے کہ مدراس کے ایک ہندو راجہ اندر رام کی فرمائش سے ترتیب پائی، یہ فارسی زبان کا سب سے ضخیم اور مطول لغت ہے، جو کئی جلدوں میں اور چند ہزار لمبی تقطیع کے صفحات میں تمام ہوئی ہے، اس میں صرف خالص فارسی الفاظ نہیں ہیں، جیسا کہ دیگر لغت نویسوں نے کیا ہے، بلکہ ان عربی الفاظ کو بھی لے لیا ہے، جو فارسی میں مستعمل ہیں، مصنف کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے اس پر ہزاروں روپے صرف کئے ہیں، اس کے لئے دور دور سے کتابیں منگوائیں، کتب خانہ ترتیب دیا مصنف کا وظیفہ مقرر کیا، اور خود چھپوا کر شائع کیا،

اس موقع پر ایک نکتہ کی بات ہم کہنا چاہتے ہیں، اگرچہ ہندوستانیوں نے انگریزی پڑھ کر مرہٹی، بنگالی، اور اردو میں انگریزی ڈکشنریاں آج بھی لکھی ہیں، لیکن درحقیقت انھوں نے اس میں صرف مترجمی کی خدمت انجام دی ہے، یعنی کسی مستند انگریزی ڈکشنری کو سامنے رکھ کر، اس کے مقابل کے معنی اپنی زبان میں لکھ کر خانہ پری کر دی ہے لیکن جو خدمت کہ ٹیک چند بہار اور وارستہ نے اپنے زمانہ کی سرکاری زبان کی ادا

کی اور مثل ایک اہل زبان کے بذاتِ خاص تحقیق و کاوش سے شعراء کے کلام پڑھ کر۔ ایرانیوں کی صحبتیں اُٹھاکر خود اہلِ زبان سے مطارحات اور چھیڑ چھاڑ کرکے انجام دی، اس کی نظیر اب تک تو پُرانے منشی کے مقابلہ میں نوجوان "مسٹر" نہ دکھا سکے،

منشی کامتا پرشاد نادان تخلص، وطن دکن ہو گا، انھوں نے فارسی قواعد کی کتاب "ہفت گل" لکھی، آصفیہ میں اس کا نسخہ ہے،

مینڈولال زار تخلص، بہار علوم کے نام سے فارسی قواعد کی کتاب تصنیف کی قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے؛

۳۔ مترجمین

دو مختلف قوموں کے متضاد عناصر کو متحد کرنے کیلئے بہترین کیمیاوی مسالہ دونوں قوموں کے لٹریچر کو متحد کر دیتا ہے، ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے صبح اُمید کے پہلے نمبر میں اس مقصد پر بڑا زور دیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہاں اس

جدید زمانہ میں از سرِ نو کوشش کی ضرورت ہے، لیکن پُرانے عہد کے بزرگوں نے اپنے دورِ عمل میں اس خیال کو پیش نظر رکھا اور کامیابی ہوئی، اس وقت میرا سلسلۂ مضمون یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کیا کیا، بلکہ یہ ہے کہ اس عہد کے ہندوؤں نے کیا کیا،

اس خیال کی اصلی کامیابی ملک کے مترجم طبقہ کے ہاتھ میں ہے، جو ایک قوم کے خیالات کو دوسری قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان دونوں میں بَیر نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں، اگرچہ ترجمہ کا سلسلہ مسلمانوں کے آغاز عہد سے قائم تھا، لیکن وہ صرف علمی ذوق کا نتیجہ تھا، قوموں کی باہمی بیگانگی اور اجنبیت کا دور کرنا اس کا مقصد نہ تھا۔

اکبری عہد میں حکومت کی خواہش کے مطابق مسلمان علماء اور ہندو پنڈتوں نے مل کر رامائن، مہابھارت، سنگاسن بتیسی، لیلاوتی، نل دمن، تاجک، ہری بنس، اتھربن وید وغیرہ کتابوں کا ترجمہ کیا، وہ پنڈت جو ان میں سے بعض کتابوں کے ترجمہ میں شریک غالب رہے، یہ تھے، گنگادھر، مہیش، مہانند، کشن جوشی، بھاون، افسوس ہے کہ ان

ناموروں کے حالات نہیں معلوم،

اب وہ زمانہ بھی آیا جبکہ بادشاہوں کی خوشی کے لیے نہیں، بلکہ اپنی خوشی کے لئے فارسی داں ہندو پنڈتوں نے اس کام کو ازخود انجام دینا شروع کیا۔

گردھرداس قوم کائستھ، متوطن دہلی، شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں ۱۰۳۶ھ میں اس نے رامائن کا ترجمہ فارسی نظم میں کیا، یہ کتاب برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے؛

بنوالی داس ولی تخلص، شہزادۂ دارا شکوہ کا میر منشی (چیف سکریٹری) تھا ۱۰۷۳ھ میں اس نے بھکا سے پروڈھ چندرودیا نام ایک افسانہ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

پنڈت لچھمی نرائن انھوں نے شنکر اچاری کی چوتھی اپرو کھانیوتی کا ترجمہ حدائق المعرفت کے نام سے فارسی میں کیا؛

منشی مکھن لال جہان ظفر کے نام سے رامائن کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا،

امر سنگھ رامائن امرپرکاش کے نام سے پاربتی، مہادیو،

رام چندر، راجہ دسرت کے حالات زبانِ دانانِ فارس کو سُنائے،

پنڈت امرناتھ شیدا تخلص، چاروں ویدوں کے مطابق دُنیا کے جو حالات تھے وہ فارسی میں خیالاتِ شیدا کے نام سے بیان کر گئے۔ یہ کتابیں کتب خانۂ آصفیہ میں ہیں،

رام پرشاد اودھ کا باشندہ تھا، نواب ناظم محمد داراب خاں کا خزانچی تھا، اس نے سنہ ۱۲۰۷ھ میں نواب مذکور کی فرمائش سے امرت چرتر کا فارسی نظم میں ترجمہ کیا۔ اور مُخزن العرفان اس کا نام رکھا،

گوپال خلف سری گوبند، اس نے سری بھاگوت دادھیا بتمار امائن کا ترجمہ فارسی میں کیا، سنہ ۱۸۱۷ء کا لکھا ہوا نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے،

انندگھن گوشائیں متخلص بہ خوش، اس نے پوتھی کاشی کھنڈ اس کو فارسی

زبان میں منتقل کیا ، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں جو نسخہ ہے ، وہ سنہ ۱۲۰۸ھ کا لکھا ہوا ہے ،

انند کنوار حالات نہیں معلوم ، پوتھی موچھ دھرم گیان ساگر کا قلمی نسخہ جو اس نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا ، سوسائٹی مذکور کے کتب خانہ میں ہے ،

زور آور سنگھ اس نے پوتھی بیادار بنہہ کو فارسی زبان میں منتقل کیا ،

مرلی دھر پوتھی سری بھاگوت کا فارسی میں ترجم قلمی نسخہ سوسائٹی میں ہے ،

راؤ دلپت سنگھ اہل تاریخ کے سلسلہ میں اس کا حال گزر چکا ہے ، مہاراجہ جگت سنگھ والیِ اودے پور کی سرکار میں نوکری کے زمانہ میں اس نے ایک بہت بڑا ادبی کارنامہ انجام دیا ، بادۂ شیراز کو سفال ہندی میں بھر کر ملک کے سامنے پیش کیا ، یعنی دیوان حافظ کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا ،

(۸)

۱۔ ہندو علمائے علومِ عقلیہ

علومِ عقلیہ سے میری مراد طبعیات ، الٰہیات ، ریاضی ہیئت ، طب وغیرہ جملہ علوم حکمت ہیں ، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ، کہ ہندوستان بھی ان ممالک میں سے ایک ہے ، جس کو علوم عقلیہ کا جنم بھوم کہنا چاہیئے ، یہ بحث دوسری ہے ، کہ یہ علوم براہ راست یہیں پیدا ہوئے جیسا کہ اہل ہند کا دعوےٰ ہے ، یا سکندر کے بعد یونانیوں کے ذریعہ سے یہ علوم یہاں منتقل ہوئے ، جیسا کہ اہلِ یورپ کا بیان ہے ، باایں ہمہ یہ ماننا پڑے گا کہ اہل ہند نے ان علوم میں کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی ، اور ریاضیات ہیئت میں ایک حد تک وہ اُستادی کے رُتبہ کو پہونچ گئے تھے !

ہندوؤں کے دماغ کو ریاضیات سے ہمیشہ ایک خاص مناسبت رہی ہے، مسلمانوں کے عہد حکومت میں علوم عقلی کے جو ہندو نامور یہاں پیدا ہوئے ان میں مہندسین اور علمائے ریاضیات کی تعداد زیادہ ہے؛

بیرونی کے ذریعہ سے جن برہمنوں نے عربوں کی تحقیقات سے فائدہ اُٹھایا تھا، افسوس کہ ان کے حالات ہم کو نہیں معلوم، اور نیز بعد کی صدیوں میں جن ہندو بزرگوں نے ادھر توجہ کی ان کے نام سے بھی ہم واقف نہیں تاہم اتنا معلوم ہے کہ سنسکرت میں عربوں کی تحقیقات عقلی کی کافی آمیزش موجود ہے، چنانچہ تمدن ہند کا فرنچ مصنف شہادت دیتا ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی کے بعد سے کہنا چاہئے کہ ہندی علوم سے مُراد عربی علوم ہیں، بس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندی علوم جن کی ابتدا پانچویں صدی عیسوی میں آریہ بھٹ کے ریاضیات سے ہوئی، اور پھر ساتویں صدی میں برہم گپت نے ان پر اضافہ کیا، اس زمانہ سے لے کر آج تک ان ہی مسائل سے بحث کرتے ہیں، جو ہند میں (یونانی اور مسلمان، ان دو ذریعوں سے آئے۔

عہد اکبری کے ہندو علمائے معقولات

ابوالفضل تنہا مورخ ہے ، جس نے اپنے بادشاہ کے عہد کے جزئی سے جزئی واقعہ کو قلم انداز نہیں کیا ، آئین میں "دانش آموزان دولت" کے عنوان سے ہر فن کے ۱۴۲ علمائے کے نام لکھے ہیں ، اس کاغذی دربار میں بلا تفریق ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے اکابر علم اور اساطین فلسفہ دوش بدوش بٹھائے گئے ہیں ، "شناسائے عقلی کلام" کے عنوان سے ابوالفضل نے اپنے زمانہ کے حسب ذیل اشخاص کے نام لکھے ہیں ، نارائن ، مادھو بٹ ، سری بھٹ بشن ناتھ ، رام کرشن ، بلبھدر مصر ، باسدیو ، باہن بھٹ ، بدیا نواس ، گوری ناتھ ، گوپی ناتھ ، کشن پنڈت ، بھٹا چارج بھاگیرت ، کاشی ناتھ ، بھٹا راج ،

جن ہندو پنڈتوں نے مرزا الغ بیگ کی زیچ جدید کو جو مسلمان علمائے ہیئت کی تحقیقات اخیر کا مجموعہ ہے ، مسلمان علما کے زیر نگرانی فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا تھا ، ان کے نام یہ ہیں :-

کشن جوشی ، گنگا دھر ، مہا نند ،

جے سنگھ کے رصد خانے

مسلمان سلاطین نے دُنیا کے گوشہ گوشہ میں جہاں اِن کے تمدّن نے فروغ پایا، تحقیقات فلکیہ کی تکمیل کے لئے رصد خانے قائم کئے، سنہ ۱۹۰۹ء کے الندوہ میں میں نے متعدد نمبروں میں ان رصد خانوں کے حالات و تحقیقات کی تفصیل لکھی ہے، اس وقت سلسلۂ سخن کے طور پر یہ کہنا ہے کہ ہندوستان میں متعدد سلاطین نے رصد خانے قائم کرنا چاہے، فیروز شاہ بہمنی، اور شاہجہاں نے کام کو شروع کرایا، لیکن مختلف وجوہ سے ناتمام چھوڑنا پڑا، یہ مہم درحقیقت محمد شاہ کے عہد حکومت کے لئے اُٹھ رہی تھی؛

راجہ جے سنگھ کچھواہا امبیر کا راجہ تھا، اورنگزیب عالمگیر اور اس کے جانشینوں کے ایام سلطنت میں ایک فوجی افسر کی حیثیت سے نمایاں عزت حاصل کی، محمد شاہ کے عہد میں وہ آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر ہوا، اس نے اپنی ریاست کا نیا مرکز جے پور کے نام سے آباد کیا، اور اب اسی نام سے یہ ریاست معروف ہے، جے سنگھ ایک نہایت علم دوست اور عالم راجہ تھا، عربی علوم و فنون میں وہ اچھی

دستگاہ رکھتا تھا، اور علم ہیئت سے اس کو ایک خاص ذوق تھا،

راجہ جے سنگھ نے الغ بیگ کی زیج جدید، ملا چاند اکبر کی تسہیلات، اور ملا فرید شاہجہانی کی زیج شاہجہانی کے اصول پر زیج محمد شاہی ترتیب دی اور بادشاہ کے حضور میں پیش کی، یہ وہ زمانہ تھا، جب اہل یورپ کے فضل وکمال کی طرف اہل ہند کی نگاہیں اُٹھ رہی تھیں، بادشاہ کے حکم سے مسلمان، برہمن، اور فرنگی علمائے ہیئت جمع کئے گئے، اور دہلی میں ایک رصد خانہ کی تعمیر کا کام ۱۱۳۷ھ میں شروع ہوا، مرزا امیر اللہ مہندس اس کے مہتمم تھے، اس رصد خانے میں بعض آلات ایسے تھے، جو سمرقند کے الغ بیگی رصد خانہ میں استعمال پا چکے تھے، اور بعض بالکل نئے تھے، اور خود ان کے ایجاد کردہ تھے،

راجہ نے اس غرض سے کہ رصد خانے کی تمام تحقیقات پوری اُتریں، اور ان کی تصدیق ہوتی جائے، رصد خانہ دہلی کے نمونے پر جے پور، متھرا، بنارس اور اُجین میں بھی رصد خانے بنوائے، دلی اور بنارس

کے رصد خانوں کی ٹوٹی پھوٹی یادگاریں تو اب تک باقی ہیں، اور میں نے دیکھی ہیں، باقی شہروں کا حال نہیں معلوم،

بہرحال ان رصد خانوں میں ہندو مسلمان اور فرنگی علمائے ہیئت نے سات برس تک کام کیا، اور اس کے کچھ لوگ پادری مینویل کی ماتحتی میں یورپ بھیجے گئے، وہاں سے یہ علمی جماعت جو معلومات لے کر آئی، ان کا اپنے اصول کے مطابق یہاں مقابلہ کیا گیا، یہ مشرق کا پہلا رصد خانہ ہے، جس نے مغربی تحقیقات کی موافقت کی، اس رصد خانے کی تحقیقات فلکی سے زیچ محمد شاہی تیّار کی گئی، جو تین مقالات پر مشتمل ہے، اول در معرفت سنین، دوم در معرفت طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات و ثوابت؛

راجہ نے اس راہ میں ایک اور اہم خدمت انجام دی، عربی زبان کی مستند علم ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا، اور اس پر

ہزاروں روپے صرف کیے،

بہادر خاں والی ٹکاری

احتشام الدولہ، مبارز الملک راجہ خان بہادر نصرت جنگ، ہمارے اس عہد کے ہندو دوست سمجھتے ہوں گے کہ یہ کسی مسلمان امیر کا نام ہوگا، لیکن ان کو سُننا چاہیئے کہ یہ مہاراجہ سرجیت سنگھ راجہ ٹکاری (صوبہ بہار) کے فرزند ارجمند کا نام ہے، یہ راجہ غدر سے ۳۰ برس پہلے تھا، راجہ مذکور تمام علوم وفنون عربی و فارسی میں ماہر تھا، اس کا دربار مسلمان اور ہندو فضلائے عہد سے بھرا ہوا تھا، اس زمانہ میں مولانا غلام حسین جونپوری ایک نامور ریاضی داں تھے، وہ بھی اس راجہ کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے، مولانا راجہ کے فضل وکمال کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

> چنانچہ فنے از فنون متداولہ وعلمے از علوم متداولہ مطرح نشدہ کہ در ذات شریف آں یگانہ جمع نیامدہ باشد،

راجہ نے ایک دن بزمِ علم میں تذکرہ کیا، کہ روز بروز علم کا فقدان ہو رہا ہے، اور اس کے متعدد وجوہ ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ علوم و فنون کی زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں، جن سے فارسی خواں فائدہ نہیں اُٹھا سکتے، اس لئے مناسب ہے کہ فارسی میں ایک ایسی جامع کتاب لکھی جائے، جو ہر قسم کے اصول و فروع پر مشتمل ہو تین (۳۰۰) سو برس ہوئے کہ علامہ عبد العلی برجندی کے زمانے سے اس وقت تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، اس تقریر کے بعد راجہ نے مولانا غلام حسین کو حکم دیا، کہ اس مجوزہ تصنیف کا کام شروع کریں۔

مولانائے موصوف نے جامع بہادر خانی کے نام سے ایک ایسی مکمل اور جامع کتاب ریاضیات پر فارسی میں لکھی، جس سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب شاید عربی میں بھی نہ ہوگی، اس کو علوم ریاضیہ کی انسائیکلوپیڈیا کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

علم الہندسہ، علم الابصار، علم المناظر، علم حساب،

جبر و مقابلہ، جومیٹری، علم ہیئت، اور علم آلات رصد و قواعد رصد، وغیرہ اصولی ابواب کے تحت میں بیسیوں فروعی مباحث اور فصول ہیں، پوری کتاب لمبی اور چوڑی تقطیع کے ۱۴۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اور ہر صفحہ میں ۲۵ لمبی اور باریک سطریں ہیں، ۱۲۴۶ھ میں شروع اور ۱۲۴۹ھ میں تمام ہوئی، اکبر ثانی کا یہہ زمانہ تھا، کتاب میں جہاں کہیں ستاروں کے طلوع و غروب کا وقت دیا گیا ہے، قلع ڈکاری کے مطالع و مغارب کے حساب سے دیا ہے، مصنف جا بجا قدیم تحقیقات کو یورپ کے جدید معلومات سے موازنہ بھی کرتا گیا ہے،

راجہ رتن سنگھ زخمی

قوم کائستھ سکسینہ، ۱۱۹۷ھ ہجری میں لکھنؤ میں پیدا ہوا، اس کا خاندان تین پشتوں سے دربار اودھ میں معزز عہدوں پر ممتاز چلا آتا تھا، لکھنؤ کی درسگاہوں کے آغوش میں اس کے فضل و کمال نے نشو و نما پایا، عربی فارسی، ترکی، سنسکرت اور کسی قدر

انگریزی زبان سے واقفیت تھی، علمِ ہیئت میں اس کو اُستادی کا رُتبہ حاصل تھا، فارسی شعر و سخن سے بھی ذوق رکھتا تھا، کچھ دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی، اس کے بعد اودھ میں اپنے خاندانی عہدے پر ممتاز ہوا، محمد علی شاہ کے زمانے میں دیوان شاہی مقرر ہوا، اور فخر الدولہ دبیر الملک، ہوشیار جنگ کے خطاب سے مخاطب ہوا۔

سنہ ۱۲۵۳ھ میں محمد علی شاہ کے حکم سے ہیئت میں حدائق النجوم، نام، ایک جامع کتاب فارسی زبان میں لکھی جو چھ جزو میں جا کر ختم ہوئی ہے، جدید مغربی تحقیقات کو پرانے عربی معلومات سے اس نے پیوند دیا ہے، یہ کتاب اپنے باب میں نہایت مستند اور معرکۃ الآراء سمجھی جاتی ہے، اور اب علمائے اسلام میں ہیئت کی اعلیٰ کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

روپا نرائن سنہ ۱۱۲۹ھ میں وفات پائی، علم ہندسہ میں شش جہات نام ایک کتاب لکھی جو ارباب فن میں نہایت وقیع خیال کی جاتی ہے۔ قلمی نسخہ موجود ہے،

اندرمن منشی ٹیک چند بہار کا شاگرد تھا، اصل وطن حصار تھا، لیکن توطن شاہجہان آباد میں اختیار کر لیا تھا، بہار عجم کو اسی نے آخر میں مرتب کیا تھا، ریاضیات میں اس کو ید طولےٰ حاصل تھا، عربی و فارسی کا عالم تھا، سنہ ۱۱۸۰ھ میں دستورالحساب نام کتاب، علم الحساب (میتھمیٹکس) میں تالیف کی، کتب خانہ بانکی پور میں اس کا قلمی نسخہ ہے، کتاب ۱۷ اجزا میں تمام ہوئی ہے،

میدنی مل قوم کا کستھ، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں تھا، علوم عقلیہ کا واقفکار تھا، سنہ ۱۱۰۴ھ میں بدائع الفنون کے نام سے ریاضیات میں ایک عمدہ کتاب لکھی، بنگال، ایشیاٹک سوسائٹی اور کتب خانہ آصفیہ میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں،

رام پرشاد عظیم آباد پٹنہ وطن تھا، علم ہندسہ میں مفتاح الناظرین اس کی تالیف ہے، سنہ ۱۲۵۰ھ میں اس کی یہ کتاب کلکتہ میں چھپی تھی،

دیوان کانجی

یہ بھی عظیم آباد پٹنہ کے باشندے تھے، ریاضیات وہندسہ میں خزانتہ العلم ان کی کتاب ہے، ۱۲۳۴؁ ہجری میں یہ کتاب کلکتہ کے چھاپہ خانہ میں طبع ہوئی تھی،

رائے منولال فلسفی

علوم حکمت اور فلسفہ میں ممتاز اور معروف تھے، شاعر بھی تھے، فلسفی تھے، اور فلسفی بننے کے مدعی تھے، اس لئے فلسفی تخلص کرتے تھے، ان کے بیٹے کندن لال نے اپنی ایک تصنیف میں اپنے خاندان کا حال لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ پورا خاندان علم وکمال کا مطلع تھا، شاہجہاں کے زمانہ سے اس خاندان میں علم ودولت ساتھ ساتھ تھا، سندیلہ کے برہمن تھے، رائے منولال کی نسبت لکھا ہے،

> پدر فقیر منوں لال فلسفی تخلص کہ در علوم حکمیہ یادگار حکمائے سلف بودند و صاحبِ تصانیفِ کثیرہ،

رائے منولال پہلے نواب فیض اللہ خاں کی سرکار

میں تھے، اس کے بعد نواب آصف الدولہ کے دربار میں گئے۔ اور یہاں سے نکل کر ایسٹ انڈیا کمپنی میں آئے، اور غالباً یہیں کسی قدر انگریزی حاصل کی، ۱۲۳۸ھ میں وفات پائی، گیارہ کتابیں مختلف علوم و فنون میں اپنی یادگار چھوڑیں، گلستانِ ارم، بوستانِ حیرت، شارستانِ نور، دیوان اشعار، تنقیح الاخبار، جغرافیہ، یہ کتابیں ادب و تاریخ میں ہیں، خالص فلسفہ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:۔

سدید الاستخراج

کتاب احکام عجائب در علم حساب، ہیئت، حکمت انگریزی مفردات طب،

کندن لال اشکی

یہ اسی نامور کا فرزند تھا، باپ اور چچا کے زیر عاطفت عربی اور فارسی علوم کی تحصیل کی، ۲۲ سال کی عمر تک بریلی، رام پور، دہلی، اور بنارس کی درسگاہوں میں عمر گذاری، سنسکرت میں سری کب اند جھا کے شاگرد تھے، کچھ سال ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں بسر کیے، اور آخر نواب منتظم الدولہ ناظم الملک مہدی علی خاں کی وساطت

سے محمد علی شاہ اودھ کے دربار میں پہنچے، چار صدی منصب پایا، دفتر انشا میں کسی عہدہ پر ممتاز ہوئے، منتظم الدولہ کی وفات کے بعد خدمت سلطانی سے مستعفی ہو کر بنارس میں گوشہ نشینی اختیار کی،

کندن لال عربی اور نیز اسلامی علوم میں استادی کا درجہ رکھتے تھے، حدیث و فقہ پر بھی ان کی نظر تھی، فلسفہ اور ریاضیات سے ان کو خاص ذوق تھا، ہیئت میں انھوں نے تاریخ اشکی ترتیب دی، فلسفہ میں حکمت ہندیہ، اکسیر سعادت، اور قسطاس تین کتابیں فارسی زبان میں لکھیں، اخیر کتاب درحقیقت تمام علوم و فنون کی انسائیکلو پیڈیا ہے، کندن لال نے اسکو چار حصوں پر تقسیم کیا ہے پہلے حصہ میں ہندوؤں کا فلسفہ ہے، دوسرے میں یونانیوں کا، تیسرے میں عربوں کے علوم، اور چوتھے میں یورپ کا جدید سائنس، کہیں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کسی علم و فن سے بیگانہ ہے، کتاب ۱۲۲۵ھ ہجری میں مطبع محمدیہ لکھنؤ میں چھپی،

۲- انتظاماتِ مالی

اس فن پر ہندو مصنفین کی تین کتابیں ملی ہیں جن کا ذکر بہ ترتیب آتا ہے، اس فن پر ان کی توجہ اس لئے مبذول ہوئی، کہ زیادہ تر عہدے انہی کے زیر اقتدار رہتے تھے،

چھتر مل ولد رائے پران چند، اس نے اس فن میں ایک نادر کتاب یادگار چھوڑی ہے جس کا نام دیوان پسند ہے، دیوان زراعت محاصل زراعت کے اعلیٰ عہدے دار کو کہتے تھے، دیوان پسند وہ کتاب جو ہر دیوان کے لئے اس کے ادائے فرائض میں معین ہے، مصنف نے باب کے لئے اس میں دستور کا لفظ پسند کیا ہے، دیوان پسند چار دستور پر منقسم ہے۔

(۱) در بیان درستی زمین ہائے کاشتکاری و تعین

جمع سرکار و بعضے حساب در پیداواری اجناس ،

(۲) سیاق و شمار در بعضے انتظام مہمات ،

(۳) مزروعہ در بعضے دست ،

(۴) مالی و ملکی آویزات معاملہ ،

دیباچہ میں مصنف اپنی معاملہ فہمی اور انتظامی مہارت پر بے انتہا فخر کرتا ہے ، زمانۂ وجود نہیں معلوم ، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کی یہہ تصنیف ۱۲۰۵ھ کی لکھی ہوئی ہے ،

چکبست حالات و زمانۂ وجود نہیں معلوم ، سیاق یعنی کاغذات و حسابات مالی کے قواعد ترتیب میں سیاق فارسی اس کی تصنیف ہے ،

مدن لال مجموعہ سیاق (فارسی) کا مصنف ، یہ دونوں رسالے قلمی کتب خانہ آصفیہ میں ہیں ،

نندرام سیاق نامہ فارسی کا مصنف کتب خانۂ آصفیہ میں ۱۸۷۹ء کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے

۳- نجوم

بیربل	یہ نہیں معلوم کہ یہ کون بیربل ہے، رسالہ نجوم فارسی میں اس کی تصنیف ہے،
خوشوقت رائے	ولد بھوپت رائے، خاص النجوم کا مصنف،
سداسکھ کول	باپ کا نام کیول رام کول، کاشف الدقائق نجوم میں اس کی تصنیف ہے،
جواہر سنگھ	جواہر افلاک و جواہر ادراک کا مصنف ہے،

یہ تمام قلمی رسالے کتب خانۂ آصفیہ میں ہیں،

۴- طب

ہندوؤں کے یہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب

میں دو کتابیں مشہور تھیں ، چرکا اور ششرت کی کتابیں ، مسلمانوں کا علم طب ، یونان ، ایران ، اور ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ تھا ، اور خود انھوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا ، اس لئے یہ نیا علم طب ہندوستان کے قدیم طب پر امتیاز خاص رکھتا تھا ، ہندوستان کے علم طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں ، وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) حاکم قوم اپنے علوم و فنون کو محکوم قوم کے علوم و فنون سے بہت بالا دست سمجھتی ہے ، اور اس سے استغنا برتتی ہے ، چنانچہ اس علم طب کے متعلق دیکھئے کہ گزشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دیسی طب کی سرکاری حمایت اور اس کو مستند تسلیم کرنے کا رزولیوشن پیش کیا ، تو نا اتفاقی کے ساتھ رد کر دیا گیا ، لیکن مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ایسا نہیں کیا ، ہندی علم طب کی بیسیوں کتابیں انھوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں ، اور اپنا علم طب ہندوستان میں

پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کرکے خود انہی کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا، اور شاہی حیثیت سے اس کو مستند قرار دیا، سلطان سکندر لودی سے خواص خاں ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ! یونانی طب ہندوستان کی آب و ہوا کے موافق نہیں ہے، حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں ھوہ بن خواص خاں نے اس کام کو انجام دیا، اور کتاب کا نام معدن الشفاء سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اس وقت فارسی میں جو علم طب ہے، اور خصوصًا خاندانی اطبا کے سفینوں میں اور مجربات ناموں میں جو سیکڑوں نسخے اور دوائیں ہیں وہ ہندوستان زا ہیں، اسی طریقے سے بیدوں نے مسلمانوں کے سیکڑوں نسخے، دوائیں، اور

اصول علاج اپنے ہاں لے لئے اور اس طرح مل ملاکر ایک ایسا طرزِ علاج رائج ہوا، جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا،

(۲) پہلے بیدوں میں وہ دوائیں متداول تھیں، جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طب اسلامی نے تمام دُنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیر تحریر آچکی تھیں، ان کو ہندوستان میں رواج دیا، ان کے فوائد و منافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرے کو بے حد بڑھا دیا۔

(۳) دواؤں کی ترکیب میں عرق، معجون، قیروطی، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا،

(۴) چیچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیبیوں، اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا، اور اس لئے ان کا طبّی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چیچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی،

(۹)

طب

اور

دیگر علوم متفرقہ

پچھلی داستان میں ہم طب تک پہنچے تھے، اب ہماری کہانی کا سلسلہ آگے چلتا ہے، اور عہدِ اسلامی کے بعض ہندو طبیبوں کا حال سُناتے ہیں :۔

دربارِ شاہی میں مسلمان اطبا کے ساتھ ہندو طبیبوں کا رہنا بھی ضروری تھا، چنانچہ ہندو علمأ

کے مختلف طبقوں میں سب سے پہلا طبقہ جو شاہان اسلام کی جانب پہلے رجوع ہوا، وہ بھی ہندو طبیب[1] تھے، ہندو اطبا میں سے زمانۂ اسلام میں سب سے پہلے ہم جس کو جانتے ہیں، وہ سری بھٹ ہے،

سری بھٹ یہ حکیم سلطان زین العابدین (سنہ ۸۶۶ ہجری) والیِ کشمیر کے دربار میں تھا، بادشاہ نے اس کی خود تربیت کی تھی، فرشتہ میں ہے:-

> سلطان بجہت طبابت سری بھٹ
> را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد۔

---

[1] فرشتہ ذکر بہمن شاہیہ

۱- اطبائے عہدِ اکبری

اکبر کے عہد حکومت کے نامور ہندو اطبا کے چند نام ابوالفضل نے آئین[1] میں لکھے ہیں:-

مہادیو

بھیم ناتھ

نرائن

سیوجی

افسوس کہ ان کے حالات ہم کو نہیں معلوم،

۲- دیگر اطبا

سکھراج	اس کا باپ اسد خان وزیر عالمگیر

---

[1] ص ۱۶۰ نولکشور

کی سرکار میں تھا، سکھراج علاوہ دیگر علوم عقلیہ کے فنِ طب میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، سید علی حسین خان کی سرکار میں پانصدی منصب پر ممتاز تھا۔

منشی لچھمی نرائن گنجاوی ان کا ذکر، زمرۂ شعراء میں بھی گزر چکا ہے، یہ بھی مسلمان طبیبوں کی درسگاہ سے فن طب کے ماہر بن کر نکلے تھے، ان کا خاندان عالمگیری اور محمد شاہی درباروں کے متوسلین میں تھا،

منشی رام پرشاد عظیم آبادی خلف گنگا پرشاد، گو یہ طبیب تھے، لیکن طبابت کا پیشہ نہیں کرتے تھے، کمپنی کے زمانہ میں پٹنہ کی صدر امینی قبول کرلی تھی، پنڈت تا رام کی فرمائش سے ۱۲۴۷ھ ہجری میں "معیار الامراض" نام ایک کتاب فن طب میں تالیف کی، جس میں سر کے بال سے پاؤں کے ناخنوں تک

کی کل بیماریوں کے قوانین کلیہ لکھے ہیں، یہ کتاب اسی زمانے میں چھپ بھی گئی تھی،

رائے منولال فلسفی المتوفی سنہ ۱۲۴۸ ہجری دیگر علوم عقلیہ کے ساتھ طب کا بھی ماہر تھا، مفردات میں اس کی ایک تصنیف ہے،

لالہ سوہن لال سندیلوی، رائے منولال کا بھائی تھا، فارسی کا ادیب اور طب میں یگانۂ عہد تھا، اس کا بھتیجہ کندن لال قسطاس کے خاتمہ میں لکھتا ہے:۔

"عمویم لالہ سوہن لال کہ طبیب حاذق
وادیب کامل بودند"

بچولال تمکین حیدرآبادی، اس نے اپنے طبی مجربات دو جلدوں میں لکھے ہیں یہ دونوں جلدیں قلمی کتب خانۂ آصفیہ میں ہیں،

پنڈت لالہ چند اس کی ایک تصنیف کحل الابصار

کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں ہے، نام سے معلو
ہوتا ہے کہ شاید مخصوص آنکھ کی بیماریوں کے علاج
میں ہے،

دیا ناتھ اس نے ویدک سے پاکا ہوی کالی کا فار
زبان میں ترجمہ کیا، قلمی نسخہ کتب خان
آصفیہ میں ہے،

منشی مہتاب نرائن ضروری الطب کا مصنف ہ
اس کا موضوع ادویہ ک
خواص ہیں،

یہ ان طبیب مصنفوں کی فہرست ہے، جنہو
نے فارسی زبان کو اپنے اظہار خیال کا آلہ بنایا
بیسیوں مصنفین اس کے علاوہ ہیں جنہوں ن
اسلامی طب کو ہندی، مرہٹی، بنگالی، اور تلنگی میں
منتقل کیا، تلنگی کی بعض طبی کتابوں کے نام کتب خا
آصفیہ کی فہرست میں موجود ہیں، یہ اسی وسعت کا ا

تھا کہ شہروں کو چھوڑ کر دیہات اور قصبوں تک کے ہندو بنیئے طبی دواؤں کے بڑے بڑے عطار بن گئے، اور عرب و ایران و ترکستان کی دوائیں ان کی دکانوں پر بکنے لگیں (اور زمانہ کی شدید مخالفت کے باوجود ان کے آثار اب تک باقی ہیں)

۳- اخلاق و تصوّف

اِس مضمون پر مفصل بحث تو ایک مستقل عنوان "اسلام کا اثر ہند و مذاہب پر" میں ہو گی۔ یہاں علمی حیثیت سے صرف چند ہندو مصنفین کا تذکرہ مقصود ہے، جنھوں نے ان مسائل پر اظہار خیال کیا ہے

بابا نانک جو سکھ فرقہ کے بانی ہیں، وہ فارسی میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے تھے، ان کے گرنتھ میں فارسی کے سیکڑوں اشعار اور الفاظ ہیں،

اور مولوی رومی اور حافظ وغیرہ صوفی شعرا کے تو وہ دلدادہ تھے، فارسی میں ان کی دو کتابیں تصوّف میں ہیں، الٰہی نامہ، اور دل طلب، ایک اور مناجات بحرِ طویل میں ان کی ہے، یہ تینوں رسالے کتب خانۂ آصفیہ میں ہیں،

رائے ستی داس عالمگیر ثانی کے عہد میں تھے، محیط معرفت تصوّف میں ان کی کتاب ہے، سنہ ۱۸۶۵ء میں چھپ بھی گئی ہے،

لال جی داس بابا لال گرو (دارا شکوہ مرشد) کا چیلا تھا، بابا لال کے ملفوظات سنہ ۱۱۸۵ ہجری میں اس نے فارسی میں جمع کئے ہیں، گورنمنٹ کلکشن لائبریری میں سنہ ۱۸ جلوس عالم شاہی کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے،

بھیرو مل رسالہ علم جوگ فارسی کا مصنف،

بشن سنگھ شیو پران، فارسی میں اس کی تصوّف

پر تصنیف ہے ، یہ دونوں نسخے قلمی کتب خانہ آصفیہ میں ہیں !

رائے مکھن لال اخلاق نامہ فارسی منظوم کا مصنف ، اس کا قلمی نسخہ موجودہ کتب خانہ آصفیہ ۱۱۹۳ھ کا لکھا ہوا ہے !

سوامی بیاس شارق المعرفت کے نام سے جوگ بشسٹ کا فارسی ترجمہ کیا ، حال و زمانہ نہیں معلوم ،

ان کے علاوہ اکبری دور کے ان خدا پرستوں کے نام بھی ملالو جن کو ابوالفضل نے خدیو شناسائین ، خداوند باطن اور خوانائے نقلی مقال کی فہرست میں جگہ دی ہے ، یعنی مادھو سرستی ، مدھودن ، بابا بلاس ، نارائن ، اسرم ، بابا کپور ، بھان چند ۔ ہرجی سور ، دامودر پرت ، رام تیرتھ ، نرسنگ ، پرم اندر ، آدت ، رام بھدر ۔ بجی سین سو ، اور جہانگیری دور

میں جدروپ گوشائیں، اور دوسرے ہندو صوفیا تھے، جن کا ذکر تزک میں اس نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔

۴۔ موسیقی

فن موسیقی کے جاننے والے اس کثرت سے اس عہد میں پیدا ہوئے ہیں کہ استقصا بھی مشکل ہے، شاہان ہند کی فیاضیوں نے اس فن کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا، ہندوستان میں یہ فن نہایت قدیم زمانہ سے ہے اور اس میں اس کی اُستادی مسلمہ ہے، لیکن مسلمانوں کی آمد کے بعد ایران و توران کی موسیقی نے مل کر ایک نیا عالم پیدا کر دیا، پٹھانوں کے عہد حکومت میں بھی اس فن کے جاننے والے ہندو موجود تھے، اور سلاطین دہلی کا دست کرم ان کو دارالحکومت کی طرف ہمیشہ کھینچتا رہتا تھا، جہاں خسرو کے سے ہمہ داں سے

ان کو مقابلہ کرنا پڑتا تھا جن میں سے سب سے مشہور نایک گوپال تھا، اس کے بارہ سو فن موسیقی میں شاگرد تھے، جو اس کے جلو میں ساتھ چلتے تھے، گوپال اسی شان سے سلطان علاء الدین خلجی کے دربار میں آیا تھا۔[۱]

کشمیر ایک مدت سے فنِ موسیقی کا گہوارہ ہے لیکن تمھیں علم ہے کہ یہاں کس دایہ کرم نے اس کی پرورش کی سلطان زین العابدین۔ شاہ کشمیر (۸۶۶ھ) نے، وہ خود اس فن کا بہت بڑا ماہر تھا، اور موسیقی دانوں کا مربی تھا، ایران اور ہندوستان کے موسیقی داں اس کے دربار میں کھنچے چلے آتے تھے، فرشتہ کہتا ہے:-

"آوازۂ جود او چوں انتشار یافت، سازندہا
وگویندہا کہ در علم موسیقی یگانۂ زماں بودند

---

[۱] شعرالعجم میں راگ ددیپ کے حوالے سے امیر خسرو و گوپال کا حال پڑھو، جلد دوم ص ۱۳۵

از اطراف و نواحی روئے بکشمیر نہادند چنانکہ کشمیر از کثرت ہندویان ایں فن رشک ملک فرنگ شد۔"

(۲ج ۳۴۴)

بودی پت (شاید صحیح دیوی پت ہو) وہ ایک طرف فارسی کا ادیب تھا، تمام شاہنامہ اس کو برزبان یاد تھا، دوسری طرف موسیقی میں کامل دستگاہ رکھتا تھا بادشاہ کے نام کی مناسبت سے زین نام اس نے اس فن میں ایک کتاب لکھ کر دربار میں پیش کی، بادشاہ نے اس کو بہت پسند کیا، اور اس کے حال پر نوازش فرمائی۔

ہندوستان کی موجودہ موسیقی کی نسبت میں نے کہا ہے کہ وہ تنہا ہندوستان تا نہیں ہے، بلکہ مسلمان بادشاہوں کی خوش مذاقی نے ایران و توران وہندوستان کو ملا کر ایک کر دیا تھا، علاوہ قیاس کے ابوالفضل کی اس عبارت سے بھی یہ اشارہ سمجھنا چاہیے۔

"نادرہ کاران ہندی و ایرانی و تورانی
وکشمیری، از مرد و زن عشرت افزائے بزم
ہمایوں" (آئین ۱۸۳)

دربارِ اکبری میں مسلمان اساتذۂ فن کے ساتھ حسب ذیل ہندو مشاہیر کے نام بھی ہم دوش بدوش پاتے ہیں، بابا رام، سورداس اور رنگ سین، میاں تان سین[1]، اور میاں چند اوروں کو جو چاہے سمجھیے میاں تان سین کی نسبت ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ایک ہزار برس میں کوئی اس کے برابر کا پیدا نہیں ہوا۔

مسلمانوں نے تو ہندوؤں کی موسیقی پر راگ درپن اور چندر کا اور مدھنا یک سنگار وغیرہ کئی کتابیں لکھی ہیں، مگر بھوپت رائے کے علاوہ جس نے

---

[1] لفظ "میاں" نومسلم ہونے کی علامت کو ظاہر کرتا ہے۔

سنہ ۱۹ جلوس محمد شاہی میں رسالہ علم موسیقی لکھا، اس فن کے دوسرے ہندو مصنف کا نام ہم کو نہیں معلوم۔

ذیل میں چند نام اخیر زمانہ کے اُستادوں کے آثار شعرائے ہنود سے اضافہ کرتے ہیں:۔

پنڈت اجودھیا پرشاد کشمیری، لکھنوی، حیرت تخلص، اُستاد جرأت کے شاگرد تھے، کئی دیوان اور مثنویاں ان سے یادگار ہیں، فن موسیقی میں اپنے عہد کے مسلم الثبوت اُستاد تھے، ۳۵ برس کی عمر میں ۱۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

مٹھن لال دہلوی ولد بخشی سلطان سنگھ کائستھ فارسی و سنسکرت و طبابت و شاعری کے علاوہ موسیقی کے ماہر تھے، ایک خاص ساز کے موجد ہیں۔

روشن لال شوق تخلص، موسیقی کے اُستاد تھے۔

تلسی داس دہلوی صمیم تخلص، سنسکرت کے عالم تھے، اور فارسی سے واقف تھے، فقیرانہ بسر اوقات کرتے تھے، طبابت کے علاوہ فنِ موسیقی کے اُستاد یگانہ تھے، دلی کے شہزادہ مرزا قادر بخش طاہر اپنے تذکرۂ گلستانِ سخن میں لکھتے ہیں :-

> "زبانِ فارسی سے بقدرِ ضرورت آگاہ اور کتبِ ہنود علی الخصوص فن موسیقی کی پوتھیوں سے صاحبِ انتباہ، ستار بجانے میں ہوش سر سے، جان تن سے نکال لیتا تھا، میں نے اس کے نغمۂ دل نواز کو اپنے کانوں سے سُنا ہے، اور اس کیفیت سے حظ دلخواہ اُٹھایا ہے، گاہ گاہ ریختہ کی طرف التفات کرتا تھا۔"

موسیقی ہندوستان کی چیز تھی، لیکن مسلمانوں نے

اپنا سرمایہ ملا کر اس کو اپنا لیا، ہندو موسیقی داں بھی ان کا تلمذ خوشی سے قبول کرتے تھے، اس اخیر عہد میں اُستاذنا المرحوم مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی کے بڑے بھائی مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی جو اپنے وقت کے ہمہ داں فاضل تھے بلکہ بعض حیثیات سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی خاک نے ان کی نظیر نہیں پیدا کی، وہ علاوہ دیگر علوم کے فن موسیقی کے بھی ماہر یگانہ تھے، اور علمی حیثیت کے علاوہ عملاً بھی اس کو جانتے تھے، ان کے کئی ہندو شاگرد، اس فن میں اب تک موجود ہیں، اور ان کے نام کی عظمت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

۵۔ مصوری

ہندوستان میں سنگ تراشی تو یقیناً قدیم زمانہ

سے موجود تھی، اور اس کی بہترین زندہ مثالیں بودھوں اور جینیوں کی عمارتوں اور معبدوں میں مل سکتی ہیں، ایلورا اور جنٹا وغیرہ کے غار اب تک دنیا کے لئے تماشائے حیرت ہیں، لیکن شبیہ کشی، طراحی اور رنگ آمیزی و مصوّری کی نسبت نہیں کہا جا سکتا، کہ ہندوستان قدیم نے اس فن کو کہاں تک سیکھا تھا، اور نہ کسی ہندی مصوّر کا نام معلوم ہے، جس نے اس فن میں کمال حاصل کیا ہو،

مسلمانوں کی آمد کے بعد دیگر فنونِ لطیفہ کی طرح اس فن میں بھی ہندوؤں نے کمال پیدا کرنا شروع کیا، اور چند روز میں یہ حال ہوگیا، کہ بقول ابوالفضل ہندوستان کے صفحۂ خیال میں بھی جس نقشِ کمال کا تصوّر نہ ہوا ہوگا، وہ واقعتاً ہوگیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ شہنشاہ اکبر جیسے ہندو پرست کے عجائب خانہ میں قدیم ہندوستان کی صنعت مصوّری کی کوئی یادگار نہ تھی، ابوالفضل کی عبارت یہ ہے:۔

"ہند را چہ گویم کہ تصویر ایں معنی و مصوّری

میں کمال) بر صفحۂ خیال نہ کردہ بود ہمانا
از اقالیم جہاں کمتر نشان دہند"

(ص ۷۷)

یعنی جس ہندوستان کو اس فن کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا، اب دُنیا میں بہت کم اس فن میں کوئی اس کا حریف نکلے گا، دربار اکبری کے مشہور ہندو مصوّرین کے نام یہ ہیں:-

کیسو
لعل
مکند
مادھو
جگن
مہیش
کھیمکرن
تارا
سانولہ
ہربنس

اور رام بساون۔

رام بساون ایک ہندو مصوّر کی نسبت ابوالفضل لکھتا ہے:۔

"بساون در طراحی و چہرہ کشائی و
رنگ آمیزی، و مانند نگاری و
دیگر ایں کارہائے فن یگانۂ زمانہ
شد۔ (ص ،،)

دسونت ایک کہار بچہ تھا، اس کو اس فن سے فطری مناسبت تھی، وہ محل شاہی کی دیواروں پر اِدھر اُدھر بچپن سے لکیریں کھینچا کرتا تھا، ایک دن اکبر کی نظر اس پر پڑ گئی، جوہر قابل پاکر خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے سپرد کیا، تھوڑے ہی زمانے کی تعلیم میں وہ اس فن کا بے نظیر اُستاد ہو گیا:

جہانگیر تمام شاہانِ تیموری میں اس فن کا سب سے بڑا مربی۔ اور قدردان تھا بشن داس اس کے دربار کا مشہور مصوّر تھا، خود بادشاہ تزک میں اس کی تعریف میں لکھتا ہے:۔

"بشن داس مصوّرے کہ در شبیہ کشی از

یکتایانِ روزگار است"

سنہ ۱۲ جلوس میں جہانگیر نے خان عالم کو عرا بھیجا تھا۔ بشن داس کو بھی اس کے ساتھ بھیجا کہ ش عباس صفوی اور اس کے دربار کی تصویریں کھینچ ک لائے، یہ تصویریں اس قدر عمدہ کھینچی گئی تھیں، جن لوگوں نے ان اشخاص کو دیکھا تھا، وہ کہتے تھے اصل سے سرِ مو فرق نہیں، خود بادشاہ بھی بشن دا کے اس کارنامہ کو تزک میں فخریہ لکھتا ہے، اور مصوّ قلم کو داد دیتا ہے۔

عبدالرحیم خان خاناں کا کتب خانہ ایک عجائب خ تھا، اس عجائب خانہ کی سب سے حیرت انگیز ایک ہندو مصوّر مادھو تھا (شاید وہی ہو جس نام ایک دفعہ اوپر بھی آیا ہے) جس کی نسبت م رحیمی کا مصنف لکھتا ہے کہ

"تصویر طراحی، مصوّری اور شبیہ سازی میں نادرۂ روزگار تھا، اور اس کتب خانہ کی اکثر باتصویر کتابیں اس کے ہاتھ کی بنی

ہوئی تھیں،

محمد شاہ کے زمانہ میں گوردھن دلی میں ایک مصوّر تھا، انند رام مصنف مراۃ الاصطلاح[1] اس کی نسبت لکھتا ہے کہ

"نرگس کی ایک پتی پر پورے ایک شہر کی تصویر کھینچتا تھا"

افسوس کہ ان اُستادوں کو تاریخ کی زندگی نصیب نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے بجز اُن لوگوں کے جو سلاطین اور امرا کے دامن سے لپٹے رہتے تھے اوروں کے نام تک بھی تاریکی کے پردہ میں گم ہیں، ورنہ سیکڑوں اساتذۂ وقت ہوں گے جن کو گو قسمت نارسا ملی ہوگی لیکن دست و دماغ کی نارسائی کے وہ شاکی نہ ہوں گے۔

---

[1] قلمی نسخہ، پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں ہے، نہایت نادر کتاب ہے۔

۶- اخیر زمانہ کے چند ہندو طبیب

پورن سنگھ قوم کائستھ دہلی وطن، سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے، اور پورن تخلص کرتے تھے، علم سنسکرت اور طبابت ہندی میں مہارت کامل رکھتے تھے، مگر بد مزاجی اور وارستگی کے سبب بیماروں کی طرف کم التفات کرتے تھے، فارسی میں بھی دخل تھا،

لالہ کھیم نرائن کھتری مہاراجہ ٹکیت رائے لکھنوی کے رفقا میں تھے، آخر عمر میں نوابی کے بعد کلکتہ جاکر رہ گئے تھے فارسی شاعر تھے، طب میں بہت اچھا دخل رکھتے تھے، مولوی حفیظ الدین شہید کے شاگردوں میں تھے،

مٹھن لال قوم کائستھ سکسینہ، ولد بخشی سلطان سنگھ دہلوی، فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے، ایک لغت کے مصنف ہیں، طبابت میں

شہرت رکھتے تھے۔

تلسی داس سادھو تھے، فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دلّی وطن تھا، قلعہ کے شہزادوں سے ارتباط رکھتے تھے، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، صمیم تخلص تھا، طب ہندی میں امام تھے، اور مجربات بیدک سے اکثر امراض مزمنہ کا علاج کرتے تھے کشتوں کے استعمال میں اور جذام اور وجع مفاصل وغیرہ کے علاج میں مہارت تامہ رکھتے تھے، موسیقی میں کمال پیدا کیا تھا فارسی زبان سے واقف تھے۔

سکھانند قوم کائستھ، دلّی وطن، شاہ نصیرؒ دہلوی کے شاگرد، شاعری کے علاوہ فن طبابت میں وحید العصر تھے۔

ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں

رسالہ فاران کراچی :- کتاب "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" از علامہ سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم (شائع کردہ کانفرنس) کا ابتدائی حصہ علمی اور تاریخی اعتبار سے بہت وقیع اور معلومات آفریں ہے تعصب اور ہٹ دھرمی کی دوسری بات ہے ورنہ یہ حقیقت ہے جس سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کرسکتا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کی معاشرت، تہذیب فکروخیال اور ذہن و دماغ کی تربیت ہوئی ہے۔

ماہنامہ تاج کراچی "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" یہ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کی تصنیف ہے۔ تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں ہندوؤں کی تعلیم و تربیت اپنے وسیع معنوں میں کس قدر ملحوظ رکھی گئی۔ مفید اور بیش بہا معلومات کا ذخیرہ اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔

رسالہ شان دہلی

اس کتاب میں ہندو مورخین، ہندو شعراء، ہندو لغت نویسوں۔ ہندو طبیبوں۔ ہندو صوفیوں۔ دانشوروں اور موسیقاروں کا نام بنام مختصر تذکرہ ملتا ہے۔ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں نے بہت کچھ سیکھا اور پایا۔ اور یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کی معاشرت، تہذیب، فکر و خیال اور ذہن و دماغ کی تربیت ہوئی۔ یہ کتاب مطالعہ کے لئے بہت اچھی ہے۔

قومی زبان کراچی

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی یہ دیرینہ روایات میں سے ہے کہ اس کی جانب سے ملک کے تقاضے کے پیشِ نظر مشاہیر اہلِ قلم نے کتابیں لکھیں اور کانفرنس نے شائع کیں۔ پاکستان میں کانفرنس کے احیاء کے بعد ہی ادارہ تصنیف سے اشاعت کتب کا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہ ادارہ اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی جانب سے علامہ سید سلیمان ندوی کی یہ تالیف ملک کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ علامہ کا نام ہی کافی ہے کہ کتاب کس قدر گراں پایہ ہوگی۔ ہندوؤں کی تعلیم کے ہر گوشہ پر علامہ نے تاریخی معلومات کا ایک بڑا حصہ اس میں جمع کر دیا ہے۔

عالمانہ مقدمہ [illegible] صدر کانفرنس عالی مرتبت میجر شمس الدین محمد صاحب سابق وزیر تعلیم بھاولپور کا ہے۔ دیباچہ ملک کے مشہور اہلِ قلم مولوی سید الطاف علی بریلوی ایڈیٹر "العلم" و سکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس کا لکھا ہوا ہے جس میں کتاب کی روئداد اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، غرضیکہ یہ کتاب وقت کے لحاظ سے ملک میں پیش کی گئی ہے اصحاب ذوق اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

اصول و اساسِ تعلیم

جناب حسن علی عبدالرحمٰن صاحب
بیرسٹر ایٹ لا کراچی

پیش نظر کتاب "اصول و اساس تعلیم" مشہور ماہر تعلیم سر تھامس پرسی نن کی شہرۂ آفاق تصنیف "ایجوکیشن اِٹس ڈیٹا اینڈ فرسٹ پرنسپلس" کا اُردو ترجمہ ہے۔ گزشتہ سال آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی "اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ" نے مرکزی وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان کی سرپرستی سے انگریزی زبان کی مستند تعلیمی تصنیفات کو اُردو قالب میں ڈھالنے کا ایک منصوبہ بنایا تھا

یہ ترجمہ اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔

نن کی تصنیفات زیادہ تر سائنس اور ریاضی کی تعلیم سے متعلق ہیں اور ان کا شمار ان مضامین کی عمدہ تعلیمی کتب میں ہوتا ہے۔ مگر "ایجوکیشن اٹس ڈیٹا اینڈ فرسٹ پرنسپلس" مسلمہ طور پر ان کی چوٹی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب ابتداءً پہلی جنگِ عظیم کے اختتام پر ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی اور اس زمانہ کے تعلیمی خیالات و عقائد کو اس نے بے حد متاثر کیا۔ اس کتاب کی اشاعت نے انگلستان میں آزاد تعلیمی پالیسی کی راہ ہموار کی۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران سر پرسی نن نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور زمانہ جنگ میں علم نفسیات، سائنس اور افراد کی ذہانت کی جانچ کے طریقوں نے جو حیرت انگیز ترقی کی تھی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

زیر نظر تصنیف پورے تعلیمی میدان کا جائزہ لیتی ہے جس میں عمدہ معاشرے کی جڑیں پیوست ہیں اور بتاتی ہے کہ معاشرے کے افراد کی شخصیت اور کردار کو پروان چڑھانے کے لئے یہ جڑیں کس طرح خوراک بہم پہونچاتی ہیں تاکہ اچھے شہری پیدا ہو سکیں۔

ضخامت، ۲۰۶ صفحات۔ اعلےٰ کتابت وطباعت۔ جلد اور گردپوش اعلےٰ۔ قیمت سات روپئے۔

ثقافت و انتشار

جناب الطاف گوہر صاحب
سی۔ ایس۔ پی۔ کراچی

حال ہی میں آل پاکستان ایجوکیشنل کے ادارۂ تصنیف وتالیف" کی طرف سے میتھو آرنلڈ کی مشہور عالم کتاب "کلچر اینڈ انارکی" کا ترجمہ "ثقافت و انتشار" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ آرنلڈ کی تصنیف پہلی مرتبہ کتابی صورت میں ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور بالاتفاق رائے یہ کتاب ارنلڈ کی نثری تحریروں میں اعلےٰ درجہ کی سمجھی گئی ہے۔

آرنلڈ نے اپنے وقت کے سماجی اور معاشرتی نظام کا بڑی بیدردی سے تجزیہ کیا۔ اسے اپنے اردگرد مادی طاقتیں کامیاب ہوتی معلوم ہو رہی تھیں۔ روایات اور قدیم ادارے ایک ایک کر کے اپنا مقام خالی کر رہے تھے۔ اس کی قوم انتہائی خود پسندی اور فرقہ وارانہ ذہنیت کا شکار ہو چکی تھی۔ انگلستان بھر میں شدید سیاسی جوش کی ایک عارضی لہر آئی ہوئی تھی۔" قوم کے ذہنی انتشار کا اظہار ہر طرف سے "بے ڈھنگے اور بے قاعدہ طور پر بسے ہوئے صنعتی شہروں" "شخصی آزادی کے

بلند بانگ دعووں اور دولت اور مشین کی پرستش کی صورت میں ہو رہا تھا۔ آرنلڈ نے اپنی کتاب میں ان تمام عناصر کا جائزہ لینے کے بعد کلچر کے بنیادی احساس کی ضرورت پر زور دیا۔

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کتاب کا ترجمہ بہت ہی برمحل کیا ہے ان سب باتوں کا اطلاق ہمارے موجودہ سماجی اور معاشرتی حالات پر پورے طور پر ہوتا ہے۔ نئی نئی مادہ پرستی کی لہر، صنعت گری کے چرچے، شخصی آزادی کے نام پر ہر بے راہ روی کا جواز نکالنا، یہ سب باتیں اپنے گرد و پیش کے ماحول میں نظر آتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ حسن و نظر کا وہی فقدان ہے جس کی وجہ سے انگلستان کی تہذیب محض مادی اور میکانکی ہو کر رہ گئی تھی سماجی مسائل اور کلچر میں دلچسپی رکھنے والے اہل علم کے لئے آرنلڈ کی کتاب کا یہ ترجمہ نہایت مفید اور دلچسپ ثابت ہوگا۔

ترجمہ انعام عظیم برنی صاحب اور اخلاص حسین صاحب نے کیا ہے۔ ترجمہ کا انداز کسی قدر بوجھل ہے مگر موضوع اس قدر عالمانہ ہے کہ اس انداز کے علاوہ مترجم کے پاس اور کوئی راہ بھی نہ تھی۔

(بہ شکریہ ریڈیو پاکستان)

جناب نیاز محمد خاں صاحب
چیف کمشنر کراچی

جناب چیف کمشنر صاحب کی خدمت میں کتاب کلچر اینڈ انارکی کا اُردو ترجمہ "ثقافت و انتشار" پہونچا مجھے موصوف نے آپ کو یہ اطلاع دینے کی خواہش کی ہے کہ انھوں نے کتاب کا مطالعہ کرلیا۔ اور ان کو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ مترجم حضرات نے حیرت انگیز کام کیا ہے۔ آپ نے بھی اس کلاسیکل شہہ پارے کا ترجمہ کرا کے اُردو ادب کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

(مسٹر غلام ربانی سکریٹری)

روزنامہ نوائے وقت
لاہور

میتھو آرنلڈ وکٹورین عہد وکٹورین کا مشہور شاعر اور نقاد تھا۔ لیکن چونکہ وہ ایک مذہبی مفکر بھی تھا اس لئے اس نے شاعری کے لئے اعلیٰ سنجیدگی بھی ضروری قرار دی تھی۔ آرنلڈ اس زمانہ کی پیداوار ہے جب دو زمانے مل رہے تھے اور مغرب کی صنعتی تہذیب جنم لے رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ سائنسی تحقیقات بھی ایک نئے موڑ پر پہونچ گئی تھی۔ ڈارون نسل انسانی کے متعلق اپنا نظریہ پیش کرچکا تھا زندگی کے ہر شعبہ میں قدامت اور جدت کی قوتیں دست و گریباں تھیں۔ ان تغیر پذیر حالات سے مذہب و تہذیب کا متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ میتھو آرنلڈ نے

جس نقطۂ نظر سے یہ کتاب "کلچر اینڈ انارکی" لکھی ہے وہ زندگی کی بنیادی قدروں کی اہمیت کے احساس کے باوجود انیسویں صدی کے انسان کا نقطۂ نظر تھا۔ اس لئے کتاب کے ترجمہ ثقافت و انتشار کا مطالعہ کرتے وقت قاری کو اس زمانہ کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان والوں کو آج کل بعض ایسے ہی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو آرنلڈ کے زمانہ کے انگریزوں کو درپیش تھے۔ اور اس حیثیت سے اس کتاب کا مطالعہ بہت سی ذہنی گتھیوں کو سلجھانے میں مدد دیگا۔

خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب سرگودھا

ثقافت و انتشار کا پارسل مل گیا کھولا جستہ جستہ دیکھا۔ دل خوش ہوا چونکہ اس کتاب کو مدت ہوئی دیکھ چکا تھا اور اس کی علمی قدر و قیمت سے واقف تھا اس لئے اس کے مضامین کو اپنی زبان میں دیکھ کر خوشی ہوئی (مرزا علی اظہر) برلاس صاحب کا مقدمہ مناسب ہے۔

ماہنامہ "تاج" کراچی

ثقافت و انتشار "کلچر اینڈ انارکی" کا اردو ترجمہ ہے۔ آرنلڈ نے جو اپنے زمانہ کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے وہ ہمارے زمانہ میں بہت سے مسائل پر منطبق ہے۔ پڑھنے والوں کو وسعت نظر حاصل ہوتی ہے۔ مذہب اور تہذیب ہر زمانہ کے

مقتضیات کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

افکار کراچی

”ثقافت و انتشار“ یہ کتاب مشہور آرنلڈ کی مشہور و معروف کتاب ”کلچر اینڈ انارکی“ کا کامیاب ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا شمار انگریزی کی بہترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب لکھتے وقت آرنلڈ کے ذہن میں وہ اصول تھے جنہیں وہ اچھے معاشرے، عمدہ حکومت اور شخصیتوں کی تعمیر کے لئے ضروری سمجھتا تھا:

انعام عظیم برنی اور اخلاص حسین نے اپنے ترجمے میں آرنلڈ کے اسلوب اور انداز تحریر کو بڑی حد تک باقی رکھا ہے۔ اور مطالب کو بخوبی واضح کیا ہے۔ ایسے ترجمے ہمارے افراد کی تربیت اور تعلیم کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوں گے۔ اس ترجمے سے اردو میں ایک گراں قدر اور مستقل تصنیف کا اضافہ ہوا ہے۔

ضخامت پانچسو صفحات۔ کتابت۔ طباعت۔ کاغذ۔ جلد، اور گردپوش اعلیٰ۔ قیمت چھ روپے (۶/-)

محصول ڈاک علاوہ

جمہوریت اور تعلیم

عہد جدید کے مشہور فلسفی اور ماہر تعلیمات پروفیسر جان ڈیوی کی معرکۃ الآ
تصنیف "ڈیمارکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا یہ ترجمہ پہلی بار اردو میں پیش کیا
جا رہا ہی۔ اس کتاب کا دنیا کے کلاسیکی ادب میں شمار ہے کیونکہ اس نے
فلسفۂ تعلیم میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ ڈیوی کا فلسفہ جدید صنعتی زندگی اور
آج کے حرکتی دور کی عکاسی کرتا ہے۔ ڈیوی کے نزدیک صداقت بڑی
حد تک اس عمل کا نام ہی جو ایک جسم نامی اور اس کے ماحول میں ہم آہنگی
کے لئے ہوتا رہتا ہی۔ ڈاکٹر ڈیوی اس بات پر شدت کے ساتھ مصر ہیں کہ
صداقت و حقیقت جسم نامی اور ماحول میں ہم آہنگی کے علاوہ اور کچھ نہیں
ہوتی اور انھوں نے اسی نقطۂ نظر کو اساس بنا کر اپنے انقلاب انگیز فلسفۂ تعلیم
کو مرتب کیا ہی جو بلاشبہ ان کے بہت بڑے کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے
اس کتاب میں آپ جس نظریۂ تعلیم کو پڑھیں گے وہ یہ ہی کہ جدید عہد کی
صنعتی دنیا میں صحیح جمہوری تعلیم صرف وہ تعلیم ہی جس میں علم کا حصول مفید
پیشوں کی عملی مشق کے ذریعہ ہو۔ پرانے طرز کی کتاب کے مطالعہ کے ذریعہ
نہیں۔ ڈیوی نے کہا ہی کہ لبرل طریقۂ تعلیم جمہوری برادری کے لئے موزوں

ہیں ہی۔ جمہوری دور کی تعلیم عملی پیشوں میں مشغول رہ کر ہو سکتی ہی۔ ڈیوی
کے اس نظریۂ تعلیم نے امریکہ کے نظامِ تعلیم میں ایک انقلاب برپا کر دیا
ور اسے جدید صنعتی تقاضوں کے مطابق بنا دیا۔

جمہوریت اور تعلیم اُن اُمہات کتب میں شامل ہی جن کا کسی
زبان میں موجود نہ ہونا اس زبان کی بے مائیگی کا ثبوت ہی۔

اس کتاب کا نہایت کامیاب ترجمہ سید محمد تقی صاحب مدیرِ اعلیٰ روزنامہ
جنگ کراچی نے کیا ہی۔

قیمت پانچ روپے (جلد دوم زیرِ طبع ہے) ضخامت ۴۵۱ صفحات
مجلد دیدہ زیب گرد پوش۔

پراسرار کائنات

THE MYSTERIOUS UNIVERSE

BY SIR JAMES JEANS

اُردو ترجمہ،

سر جیمس جینس کی یہ مشہور و معروف کتاب
دنیائے فلسفہ اور سائنس کی ایک ممتاز اور مستند کتاب ہے۔ اس میں
قابل مصنف نے محققانہ طور پر ان مباحث علم طبیعات پر روشنی ڈالی ہے
جو اس صدی کے اوائل میں ظہور پذیر ہوئی تھی اس کتاب میں صاحب

موصوف نے چار مضامین علم طبیعیات پر بحث کی ہی۔ "مرتا ہوا سورج" "جدید طبیعیات کی نئی دُنیا" "مادہ اور حرارت" "اضافیت اور ایتھر" اور آخری بحث ان سب مسائل کو ملا کر فلسفیانہ طرز پر کی ہے۔ ان مضامین پر مصنف نے اس طرح روشنی ڈالی ہی کہ ایک وہ شخص بھی جو علم سائنس سے نابلد ہو انھیں سمجھ سکے۔ اگر اس کتاب کو چالیس سال کی تحقیقاتی مسائل کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جناب سیّد محمد تقی صاحب اڈیٹر جنگ نے اس کتاب کا ترجمہ نہایت سلیس اور رواں اُردو میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ ایک قابلِ مطالعہ تالیف ہی۔ یہ کتاب زبان اُردو کے ذخیرہ میں ایک مایۂ ناز اضافہ ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب اور ڈاکٹر سید مجتبیٰ کریم صاحب ڈین آف دی فیکلٹی آف سائنس کراچی یونیورسٹی نے اس کتاب پر عالمانہ مقدمہ اور تعارف لکھا ہی۔

ضخامت ۲۱۸ صفحات معہ نقشہ جات و تصاویر اجرام فلکی۔ کاغذ طباعت۔ جلد اور گرد پوشش نہایت نفیس قیمت چھ روپے۔

علاوہ محصول ڈاک

مشاہیر کے تعلیمی نظریئے

جناب این ایم خان
چیف کمشنر کراچی

میں نے محمد حسین خاں صاحب زبیری ایم۔ اے (علیگ) کی "مشاہیر کے تعلیمی نظریئے" نامی تالیف کا مطالعہ کیا جس میں تعلیم اور تعلیمی مسائل پر مشاہیر کی رایوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ اس وقت جب کہ ہم اپنے تعلیمی نظام کو از سرِ نو مرتب کرنے میں مصروف ہیں یہ کتاب ہمارے منصوبہ بنانے والوں کے لئے بہت مفید رہنما ثابت ہوگی۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کتاب کو شائع کر کے ملک کی گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔

جناب پروفیسر عبد المجید
قریشی صاحب سرگودھا

کتاب مشاہیر کے تعلیمی نظریئے دیکھی، سب مشاہیر کی رایوں کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

(۱) تہذیب نفس، تزکیہ اخلاق اور اسلامی تعلیم پر توجہ۔

(۲) مادی تعلیم اور دُنیاوی تعلیم اسلامی تعلیم کے دوش بدوش ہو تو صحیح مسلمان یا انسان ہاتھ آئے۔

(۳) اسلامی تعلیم میں خصوصیت کے ساتھ توحید، اخوت اور عام انسانی ہمدردی پر زور دیا گیا ہے۔

(۴) ملکوت السماوات والارض پر غور و فکر یعنی سائنس کی تعلیم کو لازمی قرار دینا۔

(۵) جسمانی تربیت ضروری ہو۔

یہ نظریے اپنی جگہ پر اہم لیکن یہ دیکھ کر حیرت اور دکھ ہوتا ہے کہ گزشتہ ساٹھ برس کی کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ بھارت میں تو اب تعلیم تقریباً اسلامی نظریوں سے خالی ہے۔ پاکستان میں جو عالم ہے وہ قابل عبرت ہے۔ تہذیب نفس، تزکیہ اخلاق۔ توحید۔ اخوت اور عام انسانی ہمدردی کی ایسے صفات ہیں جو اب توجہ کے قابل نہیں۔ سائنس کے علم پر ہماری دسترس یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ ہوائی جہاز، ریل اور موٹر پر بیٹھ لیتے ہیں لیکن چھوٹے سے چھوٹا پرزہ بھی ان کا بنا نہیں سکتے۔ نفیس سے نفیس اشیاء عیش غیر ملکوں سے بن کر آجاتی ہیں۔ لیکن ملک میں اناج بھی ڈھنگ سے پیدا نہیں ہو رہا۔ کتاب میں ایک جگہ سر شاہ محمد سلیمان مرحوم کی رائے درج ہے "مسلمان نوجوانوں کے اوصاف و اخلاق میں زوال کی جھلک نظر آتی ہے" ان کو اب سے تیس برس پہلے "جھلک" نظر آتی تھی۔ آج پاکستان میں وہ پورے زور و شور کے ساتھ جلوہ نما ہے۔ اور بڑے سے لے کر چھوٹے تک سب ایک

رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ کتاب چھپی اچھی ہے اور کتابت کی غلطیاں بھی کم ہیں۔ مبارک ہو۔

مولوی محمد امین زبیری صاحب کراچی

کتاب "مشاہیر" کے تعلیمی نظریئے" وقت کی بڑی اچھی کتاب ہے۔

ضخامت ۲۱۲ صفحات۔ مجلد معہ خوبصورت گرد پوش قیمت چار روپے۔

رسالہ العلم (۳) سہ ماہی

جناب ڈاکٹر عبدالغفور بسمل صاحب مرحوم لاڑکانہ سندھ

العلم کے پرچے موصول ہوئے۔ یہ دونوں پرچے ستائش اور صلہ سے بالاتر ہیں۔ آپ کے دست و بازو کو خدا نظر بد سے بچائے ؎

نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں (غالب)

مولانا میکش اکبر آبادی

العلم کے لئے آپ کو ایسے وقیع اور اہل علم مقالہ نگار میسر آسکے ہیں کے لئے تہنیت قبول فرمائیں۔

جناب رئیس امروہوی صاحب مدیر شیراز کراچی

العلم واقعی ایک معیاری علمی وادبی صحیفہ ہے جس کے ۱۲۸ صفحات پر اہم تاریخی وعلمی مضامین پھیلے ہوئے ہیں ہمیں اُمید ہے کہ "العلم" پاکستان کے علمی وادبی حلقوں میں ذہنی مقبولیت حاصل کرے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

جناب مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم اسٹیٹ لائبریری رامپور

العلم کے اجرا پر دلی مبارکباد اگر اُٹھان یہ ہے تو انجام کیا ہوگا۔ یہ تصوّر کر کے دل مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم

العلم کے پرچے نظر افروز ہوئے۔ ہر پرچہ دلچسپ مفید اور پُر از معلومات ہے۔ ایسے ہی پرچے پاکستان کے علمی وقار کے پایہ کو بلند کر سکتے ہیں اُمید ہے کہ اس کا مستقبل اُس کے ماضی سے بھی زیادہ شاندار ہوگا۔

خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب

ماشاءاللہ ہر شمارہ بہتر سے بہتر ہوتا جارہا ہے اداریہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔

قیمت سالانہ آٹھ روپے
فی پرچہ دو روپے۔

۲۰۰۰